www.urducouncil.nic.in

نومبر 2020، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

اردو دنیا

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے: اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط		04
بچوں کی باتیں	ڈاک خانہ	05
	محبت کی علامت ماں کے نام	
ماں کی خوشبو سے معطر ہے کائنات	نایاب حسن	06
ماں	اقبال برکی	07
ماں	محمد ارمغان بدایونی ندوی	10
ماں	مقصود احمد انصاری	12
ماں کی ممتا	محمد حسین مشاہد رضوی	13
ماں	احسان سیوانی	13
ماں	عاصم رضا منصور اختر	14
ماں کی نصیحت	شاداب شیخ ضمیر الدین	18
ماں خدا کی عظیم نعمت ہے	انیس الرحمن انیس	19
	مضامین	
یوم اطفال	احتشام الحق	20
مارکوپولو ایک مشہور عالمی شخصیت	سید فوق الدین رفیقی	23
	نظمیں	
اردو ہندی	کوثر صدیقی	25
بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ	حلیم صبا نویدی	26
مناجات	محمد کلیم ضیا	26
نصیحت	فراق جلال پوری	27
رشدہ اور سدرہ کا طوطا	ڈاکٹر ارمغان ساحل سہسرامی	27
ان کا بچپن نہ چھینے کوئی بھی	صبا ثریا	28
گیت پیار کے	محمد جلال الدین خان راج	29
اپنی پہچان	عبدالناصر	29
	کہانیاں	
[illegible]	ڈاکٹر انور سرتاج	30
سراب	انیس مرزا	34
میں بھی بچہ تھا	متین الدین	40
خواب ایک مچھلی کا	زیب النساء	42
ایک دن اسکول کے بنا	سحر اسعد	45
	زبان شناسی	
الفاظ و معانی	ادارہ	47
	صحت اطفال	
بچے کی صحت	حقے گپتا، مترجم: شمیم نکہت	48
	بچوں کا کتب خانہ	
کھلونا ایک انتخاب	حقانی القاسمی	52
	اردو کا جادو	
اردو زبان کا جادو	ادارہ	54
	کہکشاں	
دو کہتیں، دو باتیں	شمیم احمد	55
ماں	فرح ناز نور احمد	59
چمن چمن کے پھول		60
	ننھے فنکار	
درخت اور انسان	انصاری محمد عبداللہ سلیم اختر	61
بچوں کی پینٹنگ		62

بچوں کی دنیا

جلد: 8 شمارہ: 11 نومبر 2020

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

پیارے بچو! آپ سب اس بات سے واقف ہوں گے کہ نومبر کے مہینہ میں 14 تاریخ کو ہندوستان بھر میں 'یوم اطفال' منایا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے تعلق سے لوگوں کے درمیان بیداری پیدا ہو کہ ہر ملک اور سماج کے لیے ان کی کیا اہمیت ہے اور ان کی کس طرح پرورش و تربیت کی جانی چاہیے، تاکہ آگے چل کر بچے معاشرے کے لیے بہترین اثاثہ ثابت ہو سکیں اور اپنے روشن کارناموں سے ملک کو ترقی کی طرف لے جا سکیں۔

بچو! آپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ اپنے حقوق اور اہمیت کو جانیں تاکہ آپ خود بھی اپنے مستقبل کے تئیں فکر مند ہو کر اپنے قیمتی بچپن کو لایعنی باتوں اور چیزوں سے بچا سکیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ملک میں بہت سے بچے اپنی اہمیت سے بالکل بھی واقف نہیں ہیں، اسی لیے وہ اپنے مستقبل کے لیے بھی ذرا بھی فکر مند نہیں ہوتے اور اپنا قیمتی وقت لایعنی کاموں اور باتوں میں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بچوں کو قوم کا اثاثہ نہ سمجھ کر ان کے ساتھ نامناسب سلوک کرتے ہیں۔ کم عمری میں ان سے محنت کے کام لیتے ہیں، انھیں پڑھنے کے لیے اسکول نہیں بھیجتے اور نہ ہی ان کی صلاحیتوں کو اجاگر اور پروان چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ان بچوں کی زندگی سے تو کھلواڑ کرتے ہی ہیں، ساتھ ہی پورے ملک اور سماج کا بھی نقصان کرتے ہیں۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ بچوں کے حوالے سے سب لوگ اپنی ذمے داری نبھائیں، ان کی تعلیم اور صحت کا دھیان رکھیں، ان کے مسائل حل کریں اور انھیں بچہ مزدوری اور بری صحبت سے بھی بچائیں۔

پیارے بچو! آپ کو یہ بھی پتہ ہوگا کہ بچوں کو بہتر مستقبل دینے میں 'ماں' کا کردار بہت اہم ہوتا ہے بلکہ بچوں کی زندگی کو بنانے میں جو رول ماں کا ہوتا ہے، اس کی دوسری کوئی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ ماں بچوں کی بہتر انداز میں پرورش کرتی ہے۔ انھیں ادب اور سلیقہ سکھاتی ہے۔ اسی لیے 'ماں' کی گود کو بچہ کا پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ ماں کی عظمت اور بچوں کی زندگی کے تعلق سے ماں کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم اس شمارے میں 'ماں' کے حوالے سے ایک خصوصی گوشہ شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ اس گوشے میں ماں کی عظمت اور بچوں کی زندگی میں ماں کے عظیم کردار پر کئی مضامین، کہانیاں اور نظمیں شامل کی گئی ہیں تاکہ بچے ماں کے رتبے سے اچھی طرح واقف ہو سکیں، کیونکہ 'ماں' ہی ایک ایسی شخصیت ہے جو اپنے بچہ کا کبھی برا نہیں چاہتی اور اس سے ہر حال میں محبت کرتی ہے لیکن بعض بچے ماں کے جذبات اور احساسات کی قدر نہیں کرتے اور سرکشی پر اتر آتے ہیں۔ یہ غلط بات ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بچوں کی طرف سے یہ رویہ ماں کے لیے تکلیف کا سبب بن سکتا ہے۔ خصوصی گوشہ کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مائیں بھی اپنی عظمت اور اپنے کردار کو پہچانیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں کسی طرح کی کوتاہی نہ برتیں۔

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

ستمبر 2020 کا شمارہ ملا۔ بہت خوب ہے۔ 'بچوں کی دنیا' نے 'کھلونا' کی اشاعت تعطل میں پڑ جانے کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو پورا کر دیا ہے۔ اس کے لیے میری جانب سے مبارکباد!

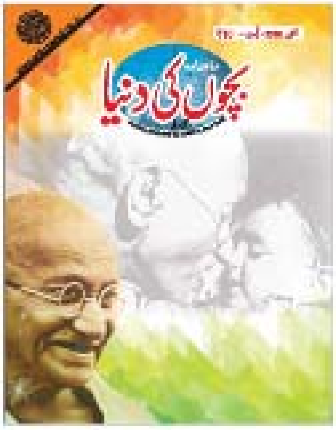

قاضی مشتاق احمد، ویدیو سوسائٹی، I.C.S کالونی، پونے (مہاراشٹر)

'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ اکتوبر 2020 ملا۔ سارے مضامین، کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں خاص طور پر سعید اختر اعظمی، نذیر فتح پوری، ایم اے کنول جعفری، محمد اسلم تنویر کی تخلیقات بہت پسند آئیں۔ اس شمارے میں 'فرمانبرداری' کے عنوان سے کمسن طالبہ استوتی اگروال کی کہانی کا بھی جواب نہیں واقعی اس لڑکی نے کمال کر دیا کہ اتنی کم عمر میں نہ صرف اردو پڑھی بلکہ اردو کے تیس (30) رسالے بھی جاری کرائے اور ادبی کتابوں کا مطالعہ دن رات کر کے اس نے کمال کر دیا۔ اس کی کہانیاں، مضامین مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ ایک غیر مسلم لڑکی کا وہ بھی صرف پندرہ سال کی عمر میں اتنا کچھ کر لینا کوئی معمولی کام نہیں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ محمد نعمان احمد کی کہانی 'گلو' بھی بہت شاندار ہے کہ ایک کتے کو حقیر جاننے والا راجو جو اسے مارنے کے لیے آتا ہے لیکن مارنے سے پہلے وہ خود ہی اغوا کر لیا جاتا ہے لیکن وہی کتا اس کی جان بچاتا ہے جس کو مارنے کے وہ درپے تھا۔ اس کہانی سے ہمیں جانوروں سے محبت کرنے کا جو سبق ملتا ہے وہ اس کہانی میں موجود ہے۔ روشن حیات کی کہانی 'چور' بھی بہت خوب ہے کہ اس میں راجو جو کہ ایک بے رحم تھا اور چوری کرنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا، پولس اس کو پکڑنے میں ناکام تھی وہ رحم کرنا جانتا ہی نہ تھا لیکن ایک معصوم بچے کی درد بھری پکار نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اسی طرح دیگر کہانیاں بھی خوب ہیں۔ میری طرف سے بہت بہت مبارکباد!

سیفی سرونجی، سہ ماہی 'انتساب'، سرونج، مدھیہ پردیش

اردو رسائل میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اس کی دلچسپ، معلوماتی اور سبق آموز تحریریں بچوں کی شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ ماہ ستمبر کے شمارے میں یومِ اساتذہ کی مناسبت سے سروپلی رادھا کرشنن کے متعلق بھرپور معلومات پیش کی گئی ہے، سائنس داں ایڈیسن اور پانی کے متعلق مضامین بھی اچھے ہیں۔

نظموں میں محمد اسد اللہ کی نظم اسکول بس، یوسف انصاری کی بارش کا پہلا قطرہ اور تنویر اختر رومانی کی نظم 'لب پہ تبسم رکھنا' متاثر کن ہیں۔ صبیحہ تزئین کی کہانی غبارے والا اور عادل حیات کی آخری کوشش پسند آئی۔ حقانی القاسمی نے پروفیسر حنیف کیفی کی طفلی شاعری کا اچھا جائزہ پیش کیا ہے۔ بچوں کی دنیا میں اردو کے ایسے شاعروں کا تعارف پیش کیا جا سکتا ہے جنھوں نے بچوں کے ادب میں اپنی پہچان بنائی ہے تاکہ بچے ان کی ادبی خدمات سے واقف ہو سکیں۔

درخشاں پروین، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی

ماں کی خوشبو سے معطر ہے کائنات

ماں ایسی دھوپ ہے جہاں صدق وصفا کے موتی چمکتے ہیں، ماں ایسی روشنی ہے جس میں ممتا اور محبت کی کلیاں مسکراتی نظر آتی ہیں، ماں ایک ایسا نور ہے جس میں گرمی نہیں ہوتی، ماں ایک روشن ستارہ ہے جو زندگی کی تاریکیوں میں روشنی بکھیرتا ہے، ماں ایسا دیپ ہے جس کی چمک کے آگے زہرہ ومریخ اور کہکشاں کی روشنی بھی کچھ نہیں، ماں کی نظرِ کرم ابرِ رحمت کا سایہ ہے، ماں کا دل سمندر سے بھی زیادہ گہرا ہوتا ہے جہاں ہر رنج وغم چھپ جاتے ہیں، ماں ایسا راگ ہے جس کی لے اور لوری زندگی میں لگنے والے بڑے سے بڑے زخم کی ٹیس اور چبھن کو چن لیتی ہے، ماں ایسا گلزار ہے جس کے پھولوں پر کبھی پژمردگی نہیں آتی، ماں ایک ایسی خوشبو ہے جس سے پوری کائنات معطر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ماں دنیا والوں کے لیے قدرت کا عظیم ترین تحفہ اور خداوندی انعام ہے۔

ماں سے بہتر اور برتر دنیا میں کوئی ذات نہیں، ماں کی پیشانی میں نور، آنکھوں میں سرور، باتوں میں بے لوث محبت، دل میں دریائے رحمت، ہاتھوں میں بے پناہ شفقت، پیروں میں بے بہا نعمت جنت اور ماں کی آغوش میں راحت وسکون ہے، ماں کا ذکر آتے ہی ہر انسان کے دل میں، بلکہ اس کی رگ رگ میں ایک لطیف احساس ابھر آتا ہے، وہ عمر کے کسی بھی مرحلے میں ہو، ماں کے لمس اور اس کی گود کے گرم احساس کو کبھی نہیں بھول پاتا، انسان پر جب کوئی آفت ٹوٹ پڑتی ہے، کوئی دکھ پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہے اور خدا کے بعد اسے اس دنیا میں اگر کوئی غم خوار نظر آتا ہے، تو وہ صرف اور صرف ماں ہے!

یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی ہر زبان میں ماں کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا اور اولاد کی نشوونما میں اس کی بے مثال قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اردو شاعروں نے ماں کے حوالے سے بہت ہی اچھے اور معنی خیز اشعار کہے ہیں۔ موجودہ دور کے شاعروں میں منور رانا کو اس حوالے سے خاص شناخت حاصل ہے، ان کا ایک مشہور شعر ہے۔

اس طرح میرے گناہوں کو وہ دھو دیتی ہے
ماں بہت غصے میں ہوتی ہے تو رو دیتی ہے

عباس تابش بھی عصرِ حاضر کے ممتاز اردو شاعر ہیں، ان کا یہ شعر بھی بہت خوبصورت ہے۔

ایک مدت سے مری ماں نہیں سوئی تابش
میں نے اِک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

ماں کے حوالے سے کئی اہم رسالوں نے بھی خصوصی شمارے شائع کیے ہیں جن میں نذیر فتح پوری کا اسباق (پونہ) کا ضخیم 'ماں نمبر' قابلِ ذکر ہے۔

—نایاب حسن

اقبال برکی

ماں

گھر میں داخل ہوتے ہی راشد نے بستہ کھلی ہوئی سلائی مشین پر رکھا اور اپنی کانچولیاں لینے کے لیے لپکا۔ اس کا ایک پاؤں فرش پر پھیلے ہوئے نئے کپڑے پر پڑ گیا۔ ماں جو فرش پر بیٹھ کر اپنے سامنے نیا کپڑا پھیلائے کاٹ رہی تھی ڈانٹ کر بولی، ”راشد! نیچے بھی دیکھ۔ دوسرے کا کپڑا ہے۔“

راشد نے اپنا پاؤں فوراً ہٹا لیا اور بولا، ”ماں میری کانچولیاں دو نا..... ڈبہ تمھارے پیچھے ہے۔ وہ ادھر.....“

ماں بولی، ”راشد بیٹا، میرے لعل، کانچولیاں رہنے دے۔ ابھی اسکول سے آیا ہے تو کچھ کام بھی کر۔ صبح سے کام کرتے کرتے میری پیٹھ اکڑ گئی ہے۔ یہ حمیدہ خالہ کے کپڑے سل گئے ہیں، انھیں جلدی سے دے آ بیٹا..... اور دیکھ.....“ ماں کا جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ راشد تنک کر بولا، ”حمیدہ خالہ کے گھر..... اب پھر اتنی دور جاؤں..... جا میں نہیں جاتا.....“

”ارے دور کہاں ہے؟..... بس جلدی سے چلے جا بیٹا۔“ ماں نے ایک بار پھر اسے چمکارنے کی کوشش کی۔

”نہیں..... پہلے میں کانچولیاں کھیلوں گا پھر جاؤں گا۔“ وہ بولا۔

”بیٹا، پہلے کام کرتے ہیں۔ اور تیرے سوا میرا ہے کون۔ کون میرا ہاتھ بٹائے گا؟“ ماں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بولا، ”ماں مجھے کھیلنے نہیں دیتی۔ میں نہیں جاؤں گا، ہاں۔“

اتنا کہہ کر وہ پاؤں پٹکتا دروازے کے باہر نکل گیا۔ ماں اسے پکارتی رہی لیکن وہ سنی ان سنی کر کے باہر آ کھڑا ہوا۔

ماں اسے بڑبڑاتی رہی لیکن وہ منہ پھلائے باہر کھڑا رہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا کہتی رہی مگر اب راشد کو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی توجہ تو سڑک پار دوسری جانب ”چھوٹے کی دکان“ کے اوٹے کے نیچے تھی۔ تین چار دن پہلے ہی اوٹے کے نیچے ایک کتیا نے بچے دیے تھے۔

راشد کے دروازے سے 'چھوٹے کی دکان' کا فاصلہ مشکل سے پندرہ فٹ رہا ہوگا۔ اس پوری جھونپڑ پٹی میں یہی سب سے زیادہ کشادہ سڑک تھی۔ اسی لیے سب سے زیادہ مصروف بھی رہتی تھی۔

راشد کا گھر بھی بستی کے دوسرے مکانوں جیسا ہی تھا۔ بس ایک کمرے کا گھر تھا جس میں بیٹھک، کچن، بیڈ روم اور ڈرائنگ روم سب کچھ تھا۔ اسی میں ان دونوں ماں بیٹے کی گذر بسر ہو رہی تھی۔ راشد اکلوتا اور یتیم تھا۔ جب وہ تقریباً ایک سال کا تھا تب ہی اس کے ابا کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس کی ماں سلائی کڑھائی اور دوسروں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور اپنے بیٹے راشد کا پیٹ پال رہی تھی۔ راشد خود بھی سمجھدار اور حساس تھا۔ وہ فرمانبردار بھی تھا لیکن تھا تو لڑکا ہی۔ کبھی کبھی اس کا بھی من للچاتا اور بستی کے دوسرے لڑکوں کے ساتھ کچھ دیر کھیل کود لیا کرتا تھا۔ آج بھی اسکول سے آتے ہوئے جب اس نے دیکھا کہ نکڑ کے قریب کے چھوٹے سے میدان میں کچھ لڑکے کانچلیاں کھیل رہے ہیں تو اس کا بھی جی چاہا کہ ان کے ساتھ کانچلیاں کھیل لے۔ یہ اس کا پسندیدہ کھیل تھا اور اسی لیے جلد سے جلد جا کر وہ کھیل میں شامل ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر اسے دیکھتے ہی ماں حمیدہ خالہ کے کپڑے پہنچانے کے لیے کہنے لگی اور وہ ایک دم سے بھڑک اٹھا اور باہر نکل آیا۔

گھر کے باہر نکلتے ہی اس کی نظر کتیا پر پڑی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اوٹے کے نیچے سے گزرنے والے گٹر میں کتیا کا ایک چھوٹا سا پلا گر گیا ہے۔ پلا گٹر کے کالے، گندے کیچڑ میں بالکل لت پت ہے اور مسلسل 'کیاؤں کیاؤں' کر رہا ہے۔ پلے کا منہ بھی صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ راشد کو ڈر تھا کہ اگر پلا گٹر میں اوندھا ہوا تو مر جائے گا۔ لیکن راشد نے دیکھا کہ کتیا باقی دوسرے بچوں کو چھوڑ کر گٹر کے بالکل کنارے آ کھڑی ہوئی ہے اور ایک پیر گٹر میں ڈال کر پلے کو باہر نکالنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ پلا تو 'کیاؤں کیاؤں' کر ہی رہا تھا لیکن اسی کے ساتھ کتیا کے منہ سے بھی ایک عجیب سی 'کوں کوں' کی آواز نکل رہی تھی۔ کتیا دکان پر آنے جانے والوں اور سڑک پر چلنے والے لوگوں اور آتی جاتی بھاگتی سواریوں سے بے نیاز صرف اور صرف اپنے بچے کو گٹر سے باہر نکال لینے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔ اس کی ایک ایک بے تابانہ حرکت سے اس کی ممتا پھوٹ رہی تھی۔

راشد چوکھٹ کے باہر کھڑا ممتا کی ماری کتیا کی بے تابی اور بے چینی اور اپنے بچے کو بچا لینے کی اس کی کوشش کو دیکھتا رہا۔

کتیا ایک پاؤں سے پلے کو کافی اوپر تک کھینچ لیتی اور 'کوں کوں' کرتی منہ سے پکڑ لینے کو اس کی طرف لپکتی۔ پلا خود بھی اپنے چاروں پیر چلاتا اور اپنا توازن سنبھال نہیں پاتا اور کچھ دیر بعد ہی پھر گٹر میں دوبارہ گر جاتا تھا۔ وہ جیسے ہی گرتا کتیا بہت زیادہ بے چین ہو جاتی۔ وہ فوراً اپنا ایک پاؤں گٹر کے اندر تک بڑھا کر پلے کو سہارا دے کر باہر نکالنے کی کوشش کرتی۔ پلا کئی بار اوپر تک آتے آتے گٹر میں گرا تھا۔ آخر ایک بار کتیا نے اسے کافی اوپر تک گھسیٹ لیا۔ جیسے ہی وہ کچھ نزدیک آیا، اس نے جھپٹ کر اسے منہ میں پکڑ لیا۔ اس نے جھٹ سے اسے باہر نکالا اور اوٹے کے نیچے گٹر سے دور دوسرے پلوں کے قریب لے جا کر زمین پر رکھ دیا۔ پلے کے باہر نکلتے ہی راشد کو بھی ایک گونہ سکون ملا۔ وہ اس منظر کو ایسی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنے آس پاس کا کچھ بھی ہوش نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی ہوش نہیں رہا تھا کہ اس دوران ماں اسے کیا کیا کچھ کہتی رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ کتیا پلے کو زمین پر رکھ کر اسے چاروں طرف سے چاٹنے لگی ہے۔ راشد کو

بڑی کراہیت محسوس ہوئی۔ اسے گھن آتے ہی ابکائی بھی آئی تھی۔ مگر وہ ٹکٹکی باندھے کتیا اور پلّے کو دیکھتا رہا۔ کتیا نے سب سے پہلے پلّے کا منہ صاف کیا تھا۔ کتیا اسے صاف کر رہی تھی اور وہ کانپتا ہوا بار بار اس کی طرف لپک رہا تھا۔ کتیا اسے ایک پاؤں سے دور ڈھکیل کر اپنے سے دور کر دیتی اور پھر اپنی لمبی زبان سے اسے صاف کرنے لگتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پلّے کا اصلی رنگ نکھر آیا۔ اب تک کتیا جس پاؤں سے اسے ہٹا ہٹا کر دور کر رہی تھی اب اس نے اسی پاؤں سے اسے پکڑ کر اپنے سے قریب کر لیا اور چاروں پاؤں پھیلا کر زمین پر لیٹ گئی۔ پلّا فوراً چپڑ چپڑ اس کا دودھ پینے لگا۔ کتیا اب بھی کبھی کبھی اسے چاٹ لیتی تھی۔

کتیا کے منہ سے 'کوں کوں' کی آواز تو بند ہو چکی تھی لیکن راشد کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا کھڑا ہی پلٹا اور ایک قدم بڑھا کر چوکھٹ کے اندر رکھا اور گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کی ماں ابھی بھی کپڑا کاٹنے میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس مرتبہ اس کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔ راشد دھیرے سے آگے بڑھا اور ماں کی پیٹھ سے لپٹتا ہوا بڑے جذباتی انداز میں بولا، "ماں......"

"جا بیٹا، دے آ حمیدہ خالہ کے کپڑے۔" وہ بولی۔

"ہاں تو دو نا..... میں ابھی دے کر آ جاتا ہوں.... ماں تم کتنی اچھی ہو......"

ماں کے ہاتھ سے قینچی نکل کر زمین پر گر گئی۔ اس نے راشد کو اپنی گود میں بھر لیا اور پھر اس کے گالوں کو چومتی ہوئی بولی، "کپڑے دے آ بیٹا پھر چاہے جتنا کھیلنا...."

"مجھے نہیں کھیلنا... میں تمھارے ساتھ کام کروں گا..... ماں تم کتنی اچھی ہو......"

"چل اب جلدی سے جا...... دیر ہو گی تو اندھیرا ہو جائے گا۔"

راشد جب حمیدہ خالہ کے کپڑے لے کر گھر سے نکل رہا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے من میں اٹھنے والے جذبات اور احساسات بالکل نئے ہیں۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ماں کے بارے میں ایسے نہیں سوچا تھا۔

■

Berki Iqbal Ahmed Mohammed Mustafa
155, Mhada, Noor Bagh
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)

محمد ارسلان بدایونی ندوی

ماں

ماں ممتا کی ٹھنڈی چھاؤں ہے، تعلیم کی پہلی منزل ہے، تہذیب انسانی کا نور ہے، خوشنودی رب کا ذریعہ ہے۔ پھولوں کی مہک ہے، تاروں کی چمک ہے، چاند کی ٹھنڈک ہے، مروت کی جھلک ہے۔

ماں کی نگاہ میں اس کا بچہ قیمتی لعل و گہر ہے، آنکھوں کا قرار ہے، دل کا سکون ہے، جگر کا ٹکڑا ہے، بڑھاپے کا سہارا ہے، وہ راتوں کو جاگتی ہے، تکلیف کو سہتی ہے، مشکل سے الجھتی ہے، آفت سے نمٹتی ہے، فکروں میں گھلتی ہے، خود بھوکی رہتی ہے، بچہ کو کھلاتی ہے، لوری سناتی ہے، چلنا سکھاتی ہے، تعلیم دلاتی ہے، وظیفے پڑھتی ہے، دعائیں کرتی ہے۔ اور پھر بچہ کی ترقی پر شاداں، صحت وتندرستی پر فرحاں اور اخلاق و کردار پر نازاں رہتی ہے!

ماں کا رتبہ سب سے بلند ہے، وہ ایک بیش بہا دولت ہے، بے شک وہ ماں قابل رشک ہے، سرمایہ افتخار ہے جو بچہ کے اخلاق سنوارتی ہے، اچھی تعلیم دیتی ہے، آداب زندگی سکھاتی ہے، نیت کا قبلہ درست کرتی ہے، پاکیزہ ماحول عطا کرتی ہے، عشق نبوی کی شمع فروزاں کرتی ہے، محبت صحابہ کو جلا بخشتی ہے، اسلامی تعلیمات پر یقین جماتی ہے، دینی غیرت پیدا کرتی ہے، سلیقہ مندی سکھاتی ہے، گفتگو کا ڈھنگ دیتی ہے، عزت نفس کا درس دیتی ہے لیکن......لیکن افسوس! افسوس کہ اب ایسی کوئی ماں کہاں، تربیت کا ایسا عنصر کہاں! اب تو بس ماں ہے جسے قدرت نے ماں بنایا ہے، نہ وہ ممتا ہے نہ وہ کڑھن ہے، نہ انقلاب انگیز سحر خیزی ہے، نہ بچہ کے عیوب پر نگاہ ہے، نہ اس کی کردار سازی کی پرواہ ہے، نہ اس کے روشن مستقبل کی فکر ہے، اب تو ایسی ماں ہی عنقا ہے، آج کی ماں کی طبیعت میں چشم پوشی ہے، محبت کے نام پر بے فکری ہے، یہی وجہ ہے کہ نئی نسل آزاد خیال ہے، مفاد پرست ہے، دنیا میں مست ہے، اخلاق سے ناآشنا ہے، صحبت نیک سے دور ہے، غفلت کا شکار ہے، روحانیت سے خائف ہے، ماں باپ سے نالاں ہے۔

ماں کی قدر و منزلت انسانیت کی معراج ہے، خدا کے بعد اسی کا مقام ہے، لیکن مغربی ماحول جہاں ہر شخص بے مہار

دہانے پر ہے، سخت کشمکش کا شکار ہے، نہ چہرے پر شگفتگی ہے، نہ عمل میں پختگی ہے، نہ کردار میں شائستگی ہے۔

ماں سے محبت اور اس سے ہمدردی کے لیے ایک دن معین ہے، (Mother Day) ماں کے سارے حقوق کی ادائیگی کا دن ہے، ماں سے ہمدردی و غمخواری کا دن ہے، خدمت کی علامت اور انسانیت کی شناخت کا دن ہے، تمام لغزشوں اور کوتاہیوں سے کفارہ کا دن ہے، اور پھر سال بھر (Old Age Home) ہی ماں کا مقدر ہے، نہ اولاد کو دوا کی فکر، نہ ماں کی زندگی کی خبر، نہ ملاقات کی سوچ اور نہ سوچنے کے لیے فرصت، ہر ایک کی اپنی دنیا ہے، اپنی زندگی ہے، اپنی خوشی ہے، اپنا غم ہے۔ یہی ہے مغرب کا اعلیٰ سماج، ترقی یافتہ سماج۔

ماں ایک تناور درخت ہے، مقدس رشتہ ہے، پاکیزہ آنچل ہے، اس کی خدمت باعث سعادت، اس کی عزت باعث برکت، اس کی شفقت باعث رحمت، لیکن ہائے رے آج کی اولاد، ہوا و ہوس کی شکار، اپنے فرض سے غافل، ماں کے مقام سے ناواقف، باتوں میں ترشی ہے، اخلاق میں سختی ہے، کردار میں سستی ہے، جرأت میں گستاخی ہے، آپس میں جفا ہے، اور ہر کوئی ایک دوسرے سے خفا و نالاں ہے۔ بلاشبہ یہ انتہائی زوال ہے، انسانیت نڈھال ہے، آج تلاش ہے ایسی ماں کی، جس سے تعمیر انسانیت وابستہ ہو اور جس کی آغوش بچہ کی تربیت گاہ ہو، جس کے نتیجہ میں ایسی اولاد نشو و نما پائے جو ماں کے لیے باعث قرار ہو، امت کے لیے سرمایۂ افتخار ہو، اور دنیائے انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ہو!

■

Mohd Armughan Badauni Nadwi
Markaz Al-Imam Abi-Al Hasan Al-Nadvi
Dare Arafat
Raibareli-(U.P)
Mob.: 9027127329

مقصود احمد انصاری

ماں

لفظ 'ماں'
تین حروف کا مجموعہ ہے
یہ تین حروف
اپنے اندر
کل کائنات کو
سموئے ہوئے ہیں
'ماں' کی عظمت، طہارت
اور
بڑائی کا ثبوت
اس سے بڑھ کر
اور
کیا ہو سکتا ہے کہ
خدائے پاک
جب انسان سے
اپنی محبت کا
دعویٰ کرتا ہے تو
'ماں' کو
بطورِ مثال
پیش کرتا ہے

'ماں'
وہ ہستی ہے
جس کی پیشانی
پُرنور آنکھوں میں
ٹھنڈک
الفاظ میں محبت
آغوش میں
دنیا بھر کا سکون
ہاتھوں میں
شفقت
اور
پیروں تلے
جنت
ساتھ رکھتی ہے
زمیں پر
خدا کی محبت کا
چلتا پھرتا روپ
'ماں' ہوتی ہے
دنیا کی

ساری دولت
ماں کے سامنے
ہیچ ہے
'ماں'
روشنی ہے
پیار ہے
شفقت اور
محبت ہے
'ماں'
ایک
نور ہے

■

Dr. Maqsood Ahmad Ansari
Vill. Maskan Dargah
Po.: Mansoorchak (Naipur)
Via: Bachhwara
Distt: Begusarai - 851128 (Bihar)
Mob.: 9973739593

محمد حسین مشاہد رضوی

ماں کی ممتا

جیسی ماں کی ممتا ہے
ویسا کوئی پیار نہیں

پیڑوں کا سایا اچھا
چندا کی ٹھنڈک اچھی
پیارے پیارے تارے سارے
جن سے جگ میں اجیارا ہے
جیسی ماں کی ممتا ہے
ویسا کوئی پیار نہیں
رنگ رنگیلے خوش بودار
بیلے جوہی چنبیلی ہیں
گلابوں کے کیا کہنے ہیں
خوشبو جن سے پاتے ہیں
جیسی ماں کی ممتا ہے
ویسا کوئی پیار نہیں

سونے چاندی مل جاتے ہیں
ہیرے موتی مل جاتے ہیں
لیکن جن کی ماں نہیں ہے
ان سے پوچھو ماں کا پیار
جیسی ماں کی ممتا ہے
ویسا کوئی پیار نہیں

■

Dr. Mohd Husain Mushahid Razvi
H. No: 39, Plot No: 14, Naya Islam Pura
Malegaon - 423203 (Maharashtra)

ماں

ماں ترے نام سے ہی راحت ہے
تیرے قدموں کے نیچے جنت ہے

کتنا رنج و الم اٹھاتی ہے
ہلکی جنبش پہ جاگ جاتی ہے

پھول کی جیسے تیری صورت ہے
ماں تری ہر گھڑی ضرورت ہے

تیرا سایہ خدا کی رحمت ہے
ماں ترے دم سے گھر کی زینت ہے

زندگی جب کبھی ستاتی ہے
فطرتاً ماں کی یاد آتی ہے

ہر کوئی ماں پہ اپنی ناز کرے
رب تری عمر کو دراز کرے

■

Ehsan Ahmad
504,Green Park
Wing B4,Shanti Park
Mira Road
Thane - 401107 (Maharashtra)
Mob.: 9892095899

عاصم رضا مقصود اختر

ماں

ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور جب کوئی اس جنت کو ٹھکرا دیتا ہے تو ذلت و ناکامیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

ٹرین رات کی تاریکی کا سینہ چیرتی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ اقبال اپنے ڈبے میں بے خبر سو رہا تھا، شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا اس لیے گاڑی کی رفتار سست ہوگئی تھی، کچھ دیر بعد ٹرین رک گئی۔ جھٹکا لگنے سے اقبال کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بستر پر لیٹے لیٹے ہی گھڑی دیکھی، رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ چند منٹ رکنے کے بعد ٹرین پھر چل پڑی۔ ٹرین ابھی آہستہ آہستہ ہی چل رہی تھی کہ اقبال کو ایک سایہ دروازے کی ریلنگ سے لٹکا نظر آیا۔ پھر آہستہ سے دروازے کا بولٹ گرنے کی آواز آئی اور دوسرے ہی لمحے دروازہ آہستہ سے کھل گیا اور وہ سایہ ڈبہ میں داخل ہوگیا۔ اقبال گھبرا گیا اور سہمی آواز میں بولا: ”کون ہو تم“؟ اقبال نے دیکھا کہ آنے والے کے ہاتھ میں چاقو چمک رہا تھا، مگر دوسرے ہی لمحہ اس کی نظر آنے والے کے چہرے پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا۔

”بھائی جان آپ“!

ٹرین میں آنے والا ٹھٹکا گیا۔ اس کے ہاتھ سے چاقو گر گیا اور وہ اقبال سے لپٹ کر رونے لگا۔

”میرے بھائی اقبال میرے منے“ پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا وہ کہہ رہا تھا ”اف میرے بھائی آج مجھ سے کتنا بڑا جرم ہو جاتا۔ آج میں اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی بھائی کا قتل کر دیتا“ وہ سسک رہا تھا مگر اقبال حیران و پریشان اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا جو چھ سال پہلے گھر سے بھاگ گیا تھا۔

جاوید اقبال کا سگا بھائی نہ تھا، وہ سوتیلا بھائی تھا مگر اقبال سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ جاوید کی عمر جب چھ سال کی تھی تو اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ پھر اس کے ابو نے دوسری

شادی کر لی۔ جاوید کی نئی ماں بھی اس سے بے حد پیار کرتی تھی۔ مگر ابو کے پیار میں پہلی سی گرمی نہیں رہی تھی اکثر وہ ان سے کسی بات پر ضد کرتا تو اسے جھڑک دیا کرتے تھے۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ مگر اس کی نئی امی اس سے اس قدر پیار کرتی کی وہ کسی بات کا برا نہیں مانتا تھا۔ مگر جب ایک دن ماں کی گود میں ننھا سا اقبال آگیا تو وہ نئی ماں کے پیار سے بھی محروم ہو گیا۔ مگر جاوید کا ننھا سا ذہن اس کو بھی بھول گیا کیونکہ اس کو کھیلنے کے لیے ننھا سا کھلونہ جو مل گیا تھا۔ وہ ہر وقت اقبال کو گود میں لیے پھرتا یا باہر آوارہ لڑکوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتا پھرتا۔ باہر کے لڑکوں کی صحبت میں رہ کر وہ دن بہ دن بگڑتا جا رہا تھا، مگر اس کے ابو نے کبھی پرواہ نہ کی، ماں بھی ہر روز اس کی شکایت کر دیا کرتی تھی جس کی وجہ سے اس کی پٹائی ہو جایا کرتی تھی۔ اس لیے جاوید کے دل میں ماں کے لیے نفرت پیدا ہو رہی تھی۔ اب وہ بچہ بھی نہیں رہا تھا کہ کسی کی بات کو نہ سمجھتا۔

اب وہ سولہ سال کا لڑکا تھا۔ جاوید کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ اس کے ساتھ جو بھی ہو رہا ہے صرف ماں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ ماں اس سے بے حد پیار کرتیں اور بہت سمجھاتیں مگر جاوید پر ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا، ماں اس سے اکثر کہتیں۔

"جاوید میں تمہاری ماں ہوں دشمن نہیں تم میری بات دھیان سے کیوں نہیں سنتے؟ تمہاری شرارتوں سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔"

جاوید کو ماں کی یہ باتیں زہر سی لگتی تھیں۔ اس کے دل میں تو صرف ایک ہی بات تھی کہ ماں روز پٹواتی ہے۔

اقبال جاوید کو بہت چاہتا تھا۔ اکثر اقبال کا کھانا بند کر دیا جاتا تو وہ ماں باپ سے چھپا کر اپنے حصے کا کھانا اس کو دے دیا کرتا، کئی بار اس نے جاوید سے کہا:

"بھائی آپ بھی میرے ساتھ اسکول چلا کریں مجھے اکیلے جانا اچھا نہیں لگتا اور وہاں لڑکے بھی مجھے تنگ کرتے ہیں"۔

اس پر جاوید اکڑ کر کہتا "کون ہیں کم بخت؟ تم مجھے بتاؤ میں سب کو جان سے مار دوں گا۔"

اقبال جاوید کے ڈر سے کبھی کسی لڑکے کا نام نہیں بتاتا اور بات ٹالنے کو کہتا۔ "میں تو یہ بات اس لیے کہہ رہا تھا کہ آپ میرے ساتھ اسکول چلیں۔ پڑھ لکھ کر اچھے آدمی بنیں۔ ہاں۔ بھائی ہمارے ماسٹر کہتے ہیں کہ "جو لوگ پڑھتے لکھتے ہیں اور بڑوں کی عزت کرتے ہیں۔ ماں باپ کا کہا مانتے ہیں وہ بڑے آدمی بنتے ہیں"۔ ماسٹر صاحب کہتے ہیں کہ "اچھے لڑکے کبھی بروں کے ساتھ نہیں رہتے"۔

اقبال کی باتوں سے جاوید کا دل بھر آتا اور وہ لمحہ بھر کے لیے وہ سوچتا کہ وہ بھی اچھا لڑکا بنے گا مگر گھر سے نکل کر سب بھول جاتا۔ ہوتے ہوتے جاوید کو سگریٹ پینے کی عادت پڑ گئی اس لیے اب وہ کبھی کبھی چوری بھی کرنے لگا۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ گھر کے چھوٹے موٹے برتن بھی غائب ہونے لگے، ماں نے بہت سمجھایا مگر جاوید کی عادتوں میں فرق نہیں آیا۔ برے لوگوں کی صحبت نے اسے بالکل بگاڑ دیا تھا۔

جاوید کی ایک پھوپھی تھیں، انھوں نے بار بار اسے یہ کہہ کر بھڑکانا چاہا تھا کہ تمھاری ماں تم سے ممتا کا ڈھونگ رچاتی ہے۔ سوتیلی ماں کبھی پیار نہیں کرتی، مگر جاوید بیچ ہی میں بول پڑتا "نہیں پھوپھی جان، امی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں بالکل اقبال کی طرح"۔ اسی لیے روز پٹائی کراتی ہیں۔ ارے بیٹا تم ابھی بچے ہو تم کیا جانو، وہ چاہتی ہیں کہ تم مر جاؤ یا بھاگ جاؤ۔

کیوں؟ جاوید حیرت سے پھوپھی کا منہ تکنے لگتا۔ اس لیے کہ تمہارے ابو کی ساری دولت اقبال کو مل جائے گی اور تم

بھیک مانگ کر زندگی گزارو۔ پھوپھی کی اس بات نے جاوید کے دل میں نفرت کی آگ کو اور ہوا دی تھی۔ اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ پھوپھی اس سے ہمدردی نہیں بلکہ اس کا مستقبل بگاڑنا چاہتی ہیں۔

وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ اقبال اور جاوید اب جوان ہوگئے تھے۔ پھوپھی نے جاوید کے دل میں نفرت کی جو چنگاری سلگادی تھی وہ آج بھی سلگ رہی تھی۔ اور اب اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ وہ پلٹ کر جواب دینے لگا تھا اور کبھی کبھی ہاتھا پائی پر بھی اتر آتا۔ اقبال نے کئی بار اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس پر بھی بھڑک اٹھتا۔

ایک دن خاصی رات گئے جب وہ گھر آیا تو اس کے ابو غصہ سے کانپ اٹھے اور ایک زوردار طمانچہ اس کے گال پر جڑ دیا۔ ”تم اتنی رات گئے گھر سے باہر رہتے ہو تمھیں شرم نہیں آتی“ وہ گرجے۔

”میں جب چاہوں تب گھر آؤں تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟“ وہ زبان درازی پر اتر آیا۔ ”میں کون ہوتا ہوں“ میں تمہارا باپ ہوں۔ ابو پھر گرجے۔ ”میرا کوئی باپ نہیں، میری کوئی ماں نہیں یہ کہتے کہتے وہ لڑکھڑا کر گر پڑا اور اقبال نے اسے سہارا دے کر اس کے کمرے میں پہنچا دیا۔

دوسرے دن جاوید کے ابو نے اسے اپنے کمرے میں بلا کر کہا کہ ”تم ایک شریف انسان کی طرح رہنا چاہتے ہو تو رہو نہیں تو میرے گھر میں آوارہ، بدچلن اور ایک لوفر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔“ ٹھیک ہے میں آج ہی چلا جاؤں گا۔

کہاں چلے جاؤ گے؟ ماں اچانک کمرے میں داخل ہوئیں اور جاوید سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ تم خود کو سدھار کیوں نہیں لیتے؟ تم بری عادتیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“ تم جانتے ہو نا کہ

برائی کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے، ایسے آدمی کی نہ دنیا میں عزت ہوتی ہے نہ دین میں۔ وہ اس دنیا میں ذلیل وخوار ہوتا ہے اور خدا کے حضور شرمندہ“۔ مگر ان کی باتوں کا جاوید پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے اسی دن گھر چھوڑ دیا۔

آج چھ سال بعد ٹرین کے ایک ڈبے میں پھر دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی تھی۔ اقبال کہہ رہا تھا ”بھائی جان! آپ کو شاید علم نہیں کہ ابو آپ سے کتنا پیار کرتے تھے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد وہ ایک رات بھی چین سے نہیں سوئے اور ایک دن ہمیشہ کے لیے ہم سب کو روتا ہوا چھوڑ گئے۔“

”کیا کہا؟“ جاوید کانپ اٹھا۔ کیا ابو اب نہیں رہے؟ ہاں بھائی جان چار سال ہوگئے ہیں۔ امی بھی ہر وقت

آپ کو یاد کرتی ہیں۔ جاوید نے ایک بار پھر اقبال کو سینے سے لگا لیا۔ ارے تم نے بتایا ہی نہیں کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اچانک اقبال نے جاوید سے پوچھا۔ ''دہلی سے''۔ ''وہاں کیوں گئے تھے؟'' بھائی جان یو۔ پی کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ مجھے کینسر ہے، اس لیے میں دہلی چیک اپ کے لیے گیا تھا۔ میں نے یہ بات امّی جان کو نہیں بتائی ہے''۔

ٹرین کی رفتار سست پڑ گئی تھی، شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا، اس لیے جاوید کھڑا ہو گیا تو اقبال نے حیرت سے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہو بھائی جان؟'' ''کہیں نہیں میرے بھائی، بری صحبت نے مجھے وہاں پہنچا دیا ہے جہاں میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ دن رات کا چکر ہے۔ کبھی جیل تو کبھی فٹ پاتھ پر رات بسر کر لیتا ہوں۔ اقبال نے جاوید کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا ''اب آپ کہیں نہیں جائیں گے میرے ساتھ گھر چلیں''۔

''نہیں۔ نہیں میں گھر نہیں جاؤں گا کبھی نہیں۔'' مگر بھائی جان آپ نے شاید سنا نہیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے کینسر بتایا ہے میری زندگی بہت کم ہے۔ مگر امی کی خاطر میں اپنی تکلیف کا اظہار نہیں کرتا۔ اپنی تکلیف میں اپنے سینے میں دبائے رہتا ہوں۔ بھائی جان کیا آپ اپنے چھوٹے بھائی کی آخری گذارش پوری نہیں کریں گے؟ بھائی جان سوچیں تو صحیح میرے بعد امی کا کیا ہوگا۔ ان کی بوڑھی زندگی کو سہارے کی ضرورت ہے اس وقت کون ان کا سہارا ہوگا۔

اقبال کی باتوں نے جاوید کو پگھلا دیا۔ اس نے چاقو اور ریوالور نکال کر چلتی ٹرین سے باہر پھینک دیا۔ صبح جب وہ گھر پہنچے تو امی جاوید کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ معصوم بچوں کی طرح ماں سے لپٹ گیا۔ ''تم کہاں چلے گئے تھے میرے لال''؟ ''کہیں نہیں امی بری صحبت اور برے لوگوں میں رہ کر میں اچھائی کے راستے سے بھٹک گیا تھا۔ امی جان مجھے معاف کر دیں''۔

جاوید کو گھر آئے ہوئے ابھی چار روز ہی گزرے تھے کہ اقبال کی طبیعت بگڑ گئی۔ دوا اور دعا دونوں کارگر ثابت نہ ہوئیں اور چند گھنٹے تڑپنے کے بعد اقبال نے دم توڑ دیا۔

اقبال کی موت کے ایک ہفتہ بعد ایک دن جاوید نے امّی سے کہا۔ ''امّی میں جا رہا ہوں''۔ امّی حیران و پریشان سی رہ گئی اور پوچھا ''کہاں جا رہے ہو اور کیوں؟''

امّی جان میرا یہاں کیا کام؟ میں ٹھہرا آوارہ، بدچلن۔ میں نے ہمیشہ آپ کو تکلیف ہی دی ہے۔ ہمیشہ ستایا ہے اور آپ نے مجھے سگی ماں کا پیار دیا۔ میں لوگوں کے بہکاوے میں آپ کو سوتیلی ماں سمجھ کر بچپن میں آپ سے ڈرتا رہا، پھر بڑا ہو کر نفرت کرنے لگا۔''

''جاوید بیٹے، میں نے تم سے کبھی نفرت نہیں کی۔ وہ تمہارے بچپن کی نادانی اور بھول تھی۔ تم کیا جانو ماں کی محبت کس چیز کا نام ہے۔ میرے بیٹے دنیا کے شرپسندوں نے ماں کے خوبصورت روپ پر سوتیلے پن کے داغ لگا دیے ہیں، ورنہ ماں کا صرف ایک ہی روپ ہے ایک ہی نام ہے ''ماں'' صرف ماں، جو ایثار اور قربانی کا پیکر اور سراپا خلوص ہوتی ہے''۔

ماں کی بات جاوید کے دل میں اترتی چلی گئی اور وہ ان کی آغوش میں سر رکھ کر رونے لگا۔

''مجھے معاف کر دیں امّی جان، مجھے معاف کر دیں۔ اب میں کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، کبھی نہیں۔

■

Asim Raza
Doman Pura, Ansari Nagar
Mau Nath Bhanjan
Mau - 275101 (UP)

شاداب شیخ ضمیرالدین

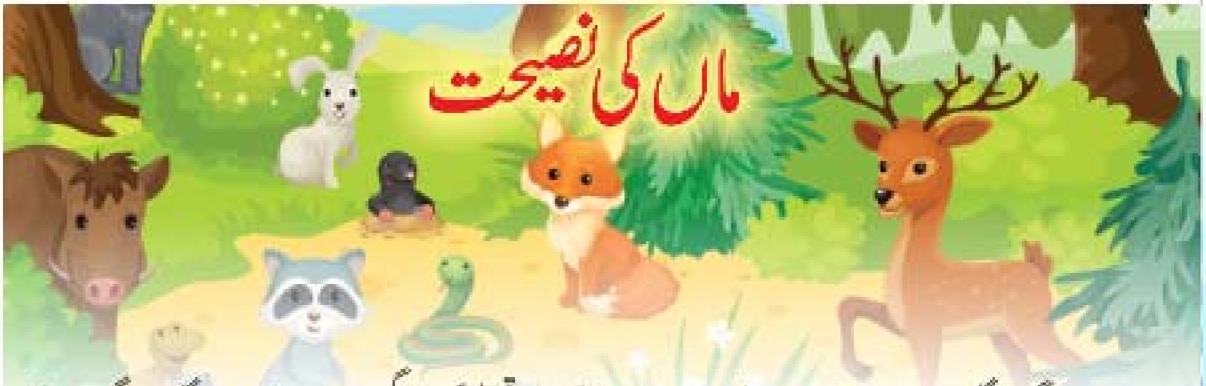

ماں کی نصیحت

ایک بہت بڑا گھنا جنگل تھا۔ اس میں سب جانور رہتے تھے اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے جانور اس جنگل میں پائے جاتے تھے۔ اسی جنگل میں ایک ہرنی رہتی تھی۔ وہ ہرنی دوسری ہرنیوں سے بہت اچھی تھی۔ وہ ہرن ہر کسی کا خیال رکھتی تھی اور سب کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کیا کرتی تھی۔

اس ہرنی کا ایک بچہ بھی تھا۔ بچہ بھی بڑا خوبصورت اور ہرنی ہی کی طرح پھرتیلا تھا۔ ہرنی اس کو ہمیشہ نصیحت کرتی تھی کہ بیٹا یہ جنگل بہت گھنا ہے۔ اس جنگل میں ہر قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے ہی جیسے جانور کو دوست بنانا کیونکہ دوسرے جانور جیسے شیر، چیتا، لومڑی وغیرہ کسی پر بھی رحم نہیں کرتے۔

ہرنی اس بچے کو ہمیشہ سچ بولنا سکھاتی۔ ہر کسی کی مدد کرنے کو کہتی۔ ہرنی کا بچہ بھی ماں کی نصیحت کو غور سے سنتا۔ بچہ ابھی چھوٹا تھا اس لیے وہ گھر سے باہر نہیں جاتا تھا۔ کبھی کبھی دھوپ سینکنے کے لیے ہری ہری گھاس پر بیٹھتا تھا۔

جب ہرنی کا بچہ تھوڑا بڑا ہوا تو اسے جنگل دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ وہ یہ جنگل دیکھے کیونکہ اب وہ تنہا چلتا پھرتا تھا اور اکیلے بھی رہ سکتا تھا۔

ایک دن کی بات ہے ماں کہیں دوسری ہرنیوں کے ساتھ کہیں گئی ہوئی تھی۔ اب ہرنی کے بچے کو جنگل دیکھنے کا یہ ایک موقع مل گیا۔ وہ گھر سے باہر نکلا اور جنگل میں گھومنے لگا۔ جنگل بڑا ہی ہرا بھرا اور سرسبز شاداب تھا۔ جنگل میں اس نے عجیب و غریب جانور دیکھے۔ درخت پر پرندوں کے گھونسلے اور ایسی بے شمار چیزیں اس نے دیکھیں۔ اس طرح وہ بچہ گھومتے گھومتے غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ غار کے دہانے کے پاس ہی اسے شیر کے تین بچے آپس میں کھیلتے نظر آئے۔ شیر کے بچوں نے جب ہرنی کے اس پیارے سے بچے کو دیکھا جو کہ بہت خوبصورت تھا اور دھوپ میں اس کی خوبصورت کھال اور بھی چمک رہی تھی تو اس سے کہا کہ تم اکیلے ہو تو ہمارے دوست بن جاؤ۔ ہرنی کا بچہ پہلے تو بہت ڈرا کہ کہیں وہ اسے مار نہ ڈالیں کیونکہ اس کو اس کی ماں کی نصیحت یاد تھی۔

جب اس نے شیر کے بچوں کو غور سے دیکھا اور دل میں یہ سوچا کہ یہ بھی بچے ہیں اور میں بھی بچہ ہوں تو وہ مجھے کیوں ماریں گے بلکہ وہ تو مجھے اپنا دوست بنا رہے ہیں اور یہی سوچ کر وہ ان کے گروہ میں شامل ہو گیا۔

اب وہ چاروں دوست تھے اور ہرنی کا بچہ روزانہ ان کے ساتھ کئی گھنٹے تک کھیلتا رہتا۔

ایک دن اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ جنگل میں جو غار ہے غار میں شیر کے بچے میرے دوست ہیں۔ یہ بات سن کر ہرنی نے کہا بیٹا یہ جانور بھوک مٹانے کے لیے جب اپنوں کے نہیں ہوتے تو دوسروں کے کیا ہوں گے۔ بیٹا یہ جانور کسی پر

بھی رحم نہیں کرتے۔ کیا میں نے یہ نصیحت نہیں کی تھی۔ تب ہرنی کے بچے نے اپنی ماں سے کہا کہ وہ میرے دوست ہیں۔ وہ بھی بچے ہیں اور میں بھی بچہ ہوں تو وہ پھر ایسا کیوں کریں گے بلکہ انھوں نے مجھے اپنا دوست تسلیم کیا ہے اور پھر بچے نے ماں کی نصیحت کو سنی ان سنی کردی۔

ایک دن کی بات ہے ہرنی کا بچہ جب شیر کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا ہنسی مذاق میں شیر کے ایک بچے نے ہرنی کے بچے کے پیٹ پر پنجہ مارا۔ ہرنی کا بچہ بری طرح چیخ اٹھا اور اس نے بھی شیر کے بچے کو مارا اور اس طرح دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ دونوں میں جھگڑا ہوتا دیکھ کر باقی شیر کے دو بچوں نے جب اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی ہرنی کے بچے پر جھپٹ پڑے۔ ہرنی کے بچے کو شیر کے تینوں بچوں نے بری طرح زخمی کردیا اور اس طرح ہرنی کا بچہ کسی بھی طریقے سے وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوگیا۔

جب وہ اس بری حالت میں اپنے گھر پہنچا تو اس کی ماں اسے دیکھ کر سہم گئی اور اس نے اپنے بچے کو سینے سے لگا لیا اور کہا کہ بیٹا تیری یہ حالت نہیں ہوتی، اگر تو نے ماں کی نصیحت پر عمل کیا ہوتا۔

اور پھر اسی دن سے اس نے ماں کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کردیا اور اب وہ ہرنی کا بچہ ہرنی ہی کی طرح دوسروں کی مدد کیا کرتا تھا اور کبھی اُدھر کا رخ نہیں کیا جدھر یہ خونخوار درندے رہتے تھے اور اسی طرح باقی زندگی وہ گھنے جنگل میں گزارنے لگا۔

■

Shadab Shaikh Zameeruddin
Shahu Nagar, Near Shaheen Library
Jalgaon - 425001 (Maharashtra)

انیس الرحمن انیس

ماں خدا کی عظیم نعمت ہے

ماں خدا کی عظیم نعمت ہے
اس سے بڑھ کر نہ کوئی دولت ہے
دو گھڑی پاس بیٹھ جا اس کے
تم کو گر تھوڑی سی جو فرصت ہے
قدر ماں کی یتیم سے پوچھو
ماں ہی دنیا میں باب رحمت ہے
اس کی آغوش میں پلی قومیں
ساری قوموں کو ماں سے رغبت ہے
سن لے یہ بھی حدیث قدسی ہے
ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے
ہاں محبت سے دیکھنا اس کو
ایک پوجا ہے اک عبادت ہے
کون جو ہے نہ اس کا دیوانہ
ساری دنیا کو اس سے الفت ہے
ہاں بدلتی ہیں ماں سے تقدیریں
ان دعاؤں میں ایسی طاقت ہے
مائی، ماتا، مدر ہے م سے ماں
ہاں اسی م کی ہی محنت ہے
روز محشر انیس سب کے لیے
باعث مغفرت و عزت ہے
تو خطائیں ہزار کرلے انیس
معاف کردینا اس کی عادت ہے

■

Anisur Rahman Anees
9-6-377, Behind Hameed Function Hall
Umar Colony
Tier Board
Nander - 431604
Mob.: 9960299337

احتشام الحق

یوم اطفال

نومبر کا مہینہ بچوں کے لیے بڑا اہم ہے کیونکہ اس ماہ میں بچوں کے لیے کئی خاص دن ہیں۔ ایک تو یوم تعلیم ہے جو 11 نومبر کو ملک بھر میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم اور عظیم رہنما مولانا ابو الکلام آزاد کے یوم پیدائش کی یادگار ہے۔ دوسرا خاص دن جس کا بچوں کو بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے جسے ہم چلڈرنس ڈے یا یوم اطفال کے نام سے جانتے ہیں۔ دنیا کے الگ الگ ملکوں میں الگ الگ تاریخوں میں بھی یہ دن منایا جاتا ہے جس کا مقصد بچوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

ہندوستان میں یہ دن 14 نومبر کو بڑے جوش و مسرت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ یہ دن ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے یوم پیدائش کی یادگار ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کو بچوں سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کے درمیان رہنا انھیں بڑا پسند تھا۔ اسی بے پناہ محبت اور شفقت کی وجہ سے بچے بھی انھیں چاچا نہرو کہا کرتے تھے۔

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ نومبر کے مہینے میں ہی 20 تاریخ کو بچوں کا عالمی دن یعنی عالمی یوم اطفال بھی منایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان اور دنیا کے دوسرے حصوں میں اس دن کے منانے کا مقصد بچوں کے لیے لوگوں میں پیار و محبت کے جذبات کو بڑھاوا دینا اور ان کے حقوق کے لیے والدین، اساتذہ اور بڑی عمر کے لوگوں میں بیداری لانا ہے۔

اگر ہم بات کریں بچپن کی تو یہ ہماری آپ کی زندگی کے سب سے خوبصورت اور اہم دن ہیں۔ ایک طرف ہم ان دنوں میں بہت سی چیزوں سے بے فکر ہوتے ہیں اور ہمارے ماں باپ اور ہمارے بڑے ہماری ان ضرورتوں کو پوری کرتے ہیں تو دوسری جانب یہی وہ ایام ہیں جن میں ہماری آنے والی زندگی کی بنیاد اور نیو پڑتی ہے۔ اس لیے بچے اس بات کے حق

دار ہیں کہ ان پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ ان کا مستقبل ہر طرح سے روشن ہو سکے۔ پڑھ لکھ کر وہ اچھے انسان بن سکیں، خود اعتمادی کے ساتھ زندگی گزاریں اور خود کفیل بن سکیں۔ ان کے اندر اچھے برے کو سمجھنے کی تمیز پیدا ہو اور اپنی زندگی کے سلسلے میں وہ بہتر فیصلہ کرنے کے لائق بن سکیں۔ والدین اور سماج کے ساتھ ان کا رویہ اچھا ہو۔ یہ بچے صرف اپنے ماں باپ کی اولاد نہیں بلکہ اس ملک اور پوری انسانیت کا سرمایہ اور دولت بھی ہیں۔ آج جو بچے ہیں کل جوان ہوں گے اور پڑھ لکھ کر ان کو اس ملک اور دنیا کی ترقی میں حصہ لینا ہے۔ لہٰذا اگر بچپن کے دنوں میں ان کی صحیح رہنمائی نہیں کی گئی تو ان کی زندگی ضائع اور برباد ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ایک بچے کی تباہی محض ایک بچے کی تباہی نہیں بلکہ ایک ایسے وسیلے اور ریسورس کی تباہی ہے جس سے ملک کی تعمیر کا کام لیا جا سکتا ہے اور ملک کو ترقی کی راہ پر لے جایا جا سکتا ہے۔

یوم اطفال بھی دراصل بچوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی ایک تحریک اور عوامی بیداری کا ایک ذریعہ ہے۔ 14 نومبر کو اسکولوں، کالجوں، تعلیمی اداروں اور مختلف فلاحی تنظیموں کی جانب سے یوم اطفال کے موقع پر خصوصی تقریبوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں رنگ برنگے ثقافتی (کلچرل) پروگرام پیش کیے جاتے ہیں اور کئی طرح کے مقابلوں کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے۔ اسکولوں میں آپ نے بھی ایسے کئی پروگراموں اور مقابلوں میں ضرور حصہ لیا ہوگا۔ پیار و محبت کے جذبے کا اظہار کرنے کے لیے بڑوں کی جانب سے بچوں کے درمیان تحفے اور چاکلیٹ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ کئی تنظیمیں غریب اور یتیم بچوں کے درمیان کپڑے، کھلونے، اسٹیشنری اور کتابیں وغیرہ تقسیم کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

ہمیں بھی چاہیے کہ آج کے دن اور دوسرے دنوں میں بھی ہم ان ساتھیوں کو پنسل، قلم، کاپی اور کتابیں وغیرہ بڑی خاموشی سے تحفے دیں جن کے ماں باپ نہ ہوں یا ان کے والدین بیمار یا کمزور ہوں۔ اسکول میں ٹفن اور کھانے پینے کی چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرنا ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

عالمی یوم اطفال

Universal Children's Day

جیسا کہ بتایا گیا کہ نومبر کے مہینے میں ہی عالمی یوم اطفال یعنی بچوں کا عالمی دن بھی منایا جاتا ہے۔ یہ نومبر کی 20 تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ عالمی ادارہ اقوام متحدہ (United Nation Organisation) کے ذریعہ 1954 میں عالمی یوم اطفال کی بنیاد ڈالی گئی تاکہ دنیا بھر میں بچوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان میں بیداری لائی جائے۔ ساتھ ہی ان کی بھلائی کے لیے کیے جا رہے کاموں کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔ بتا دیں کہ 20 نومبر 1959 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے حقوق اطفال کے اعلامیہ (Declaration of Rights of Children) کو قبول کیا تھا۔ 1989 میں 20 نومبر کو ہی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے حقوق اطفال (Rights of Children) پر ہونے والے کنونشن کو منظوری دی تھی۔ 1990 سے یہ دن مذکورہ دونوں واقعے کی یادگار کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔

یہ دن ہمیں اس بات پر ابھارتا ہے کہ بچوں کی زندگی کی بہتری کے لیے ہم بہتر سے بہتر قدم اٹھائیں اور انہیں اچھی سے اچھی زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرائیں۔ ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ بچوں کو کون کون سے حقوق حاصل ہیں۔

جینے کا حق: بچوں کو بھی عام انسانوں کی طرح جینے کا پورا حق ملنا چاہیے۔ انھیں صحت کے لیے تغذیہ سے بھری مناسب

غذا ملے۔ ان کی صحت کا خیال رکھا جائے۔ جسمانی، ذہنی اور جذباتی استحصال سے ان کا تحفظ ضروری ہے اور جنگ کے حالات میں عالمی انسانی برادری کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ عام شہریوں کے ساتھ بچے بھی کسی طرح کے حملے کے شکار نہ ہوں۔

تحفظ کا حق: بچوں کو ہر طرح کے جائز تحفظ کا حق دینا چاہیے۔ ان کا کسی طرح سے استحصال نہ ہو، مزدوری، تجارت یا بچہ شادی کر کے ان کی زندگی کو تباہ ہونے سے بچانا ان کا حق ہے۔

خاندان میں شراکت: بچوں کو بھی گھر کا فرد سمجھنا چاہیے اور انہیں گھر سے جوڑ کر رکھنا چاہیے۔ کچھ بات ان سے کہنی چاہیے تو ان کی کچھ باتیں سننی بھی چاہئیں۔

تعلیم کا حق: تعلیم تمام طرح کی ترقیوں کی کلید ہے۔ تعلیم سے انسان میں زندگی کا شعور اور ذہنی بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اچھے برے کی تمیز آتی ہے۔ شخصیت کی بہترین تعمیر بھی تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ تعلیم فکر و شعور کے ساتھ ترقی کی راہیں کھولتی ہے۔ اس لیے کم از کم ابتدائی تعلیم ہر بچہ کا بنیادی حق ہونا چاہیے۔ حکومت ہند نے حق تعلیم ایکٹ 2005 کے ذریعہ ایک سے چودہ سال تک کے ہر بچے کو مفت تعلیم فراہم کرنے کا فیصلہ لیا ہے۔

ترقی کا حق: ان کی ترقی کے لیے بے خوف معیاری تعلیم فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایسے وسائل فراہم کیے جانے چاہئیں کہ وہ ترقی کر سکیں اور ایک باوقار انسانی زندگی گزارنے کے لائق بن سکیں۔

اقوام متحدہ کے حقوق اطفال کے اعلامیہ میں بیان کیے گئے۔ چند حقوق کچھ اس طرح ہیں:

1. بچوں کو ایسے وسائل اور ریسورسز دینے چاہئیں جن سے وہ مادی اور روحانی سطح پر عام طریقے سے ترقی کر سکیں۔
2. بھوکے بچوں کو کھانا ملنا چاہیے۔ بیمار بچوں کی دیکھ بھال ہونی چاہیے۔ غریب اور پچھڑے ہوئے بچوں کی امداد ہونی چاہیے۔ جو بچے جرائم کی دنیا میں چلے گئے ہوں ان کی اصلاح ہونی چاہیے۔ یتیم اور لاوارث بچوں کو پناہ گاہ اور تحفظ ملنا چاہیے۔
3. مشکلات کی گھڑی میں بچوں کو سب سے پہلے راحت ملنی چاہیے۔
4. بچوں کو ایسی جگہ رکھنا چاہیے جہاں وہ روزی پا سکیں اور ہر طرح کے استحصال سے ان کو بچایا جا سکے۔
5. بچوں کا شعور اس طرح بالیدہ کرنا چاہیے کہ ان کی صلاحیتیں ان کے متعلقین کے کام آسکیں۔

بچو! ہندوستان اور دنیا کے بہت سے ملکوں میں ایسے لاکھوں بچے ہیں جو ہماری طرح اچھی تعلیم حاصل نہیں کر پا رہے ہیں، کچڑے چننے اور مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ ایسے بچوں کو مزدوری سے بچانے کی دعوت دینے کے لیے 30 اپریل کو 'بچوں کی مزدوری کی مخالفت کا دن' بھی منایا جاتا ہے۔ آج کے دن ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم ایسے بچوں سے ہمدردی رکھیں گے اور پڑھنا لکھنا سیکھنے میں ان کی مدد کریں گے۔ ہر سال ہم پرانی کتابیں چھوڑ دیتے ہیں اور نئی کتابیں خریدتے ہیں۔ ایسی پرانی کتابیں ہم کباڑیوں کے ہاتھوں بیچ دیتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ایسی پرانی کتابیں ہم غریب بچوں کو دے کر بھی ان کی مدد کر سکتے ہیں۔

■

Ehteshamul Haque
Incharge Head Master
Nayee Taleem Rajkiya Buniyadi Vidyalay
Majhauli, Hayaghat
(Bihar) Darbhanga - 846002

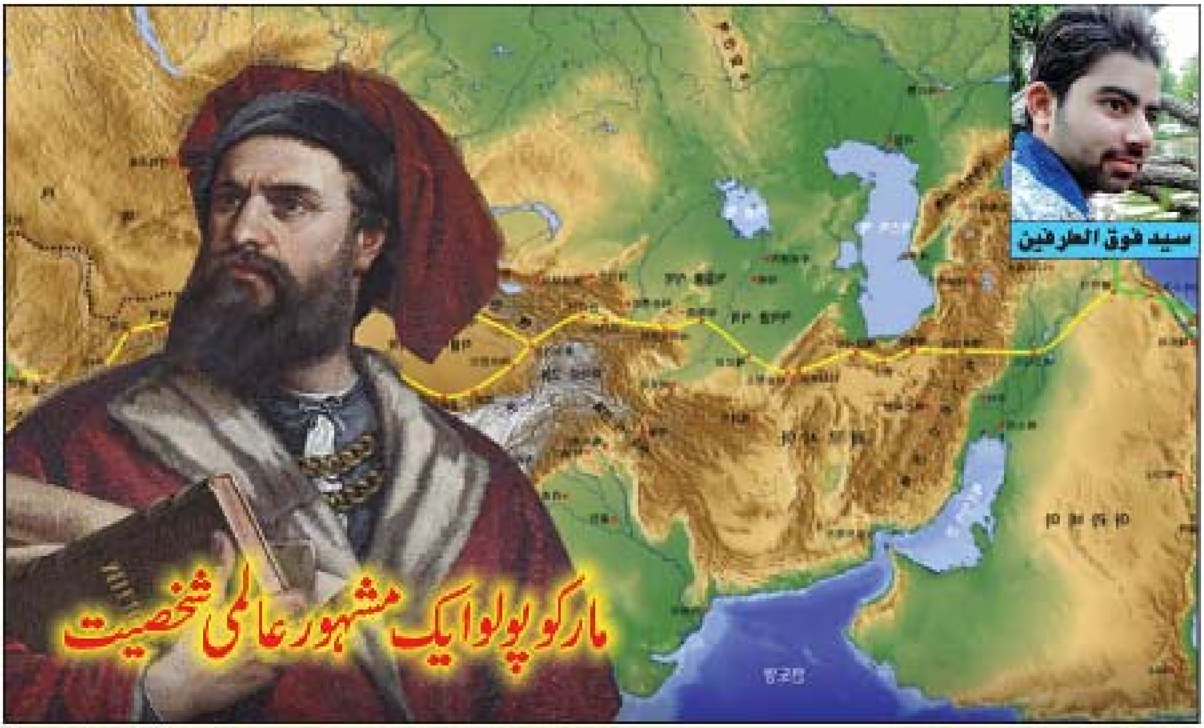

مارکو پولو ایک مشہور عالمی شخصیت

سید فوق الطرفین

مارکو پولو اٹلی کے شہر وینس میں سنہ 1254 میں پیدا ہوئے۔ وہ پہلے ایسے یوروپین شخص تھے، جنھوں نے ایشیا کے بارے میں یوروپ کے عوام کو بتایا۔ مقامی خاندان میں پیدا ہوئے مارکو پولو کے والد کا نام نکولو پولو تھا، جو ایک مشہور سیاح اور تاجر تھے۔ مارکو پولو بہت کم عمر میں ہی دور تک پیدل چلنے میں ماہر ہوگئے تھے۔ یہ خوبی ان کے کافی کام آئی اور اس نے انھیں تاریخ کی ایک اہم شخصیت بنایا۔ مارکو پولو نے صرف چھ سال کی عمر میں اپنے والد اور چچا مافیو پولو کے ساتھ آدھی دنیا کا سفر کرلیا تھا۔ ان کے والد انھیں اپنے ساتھ ترکی، روس، منگولیا اور چین کے سفر پر لے گئے۔ چین کے حکمراں قبلائی خان نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ سنہ 1269 میں مارکو پولو کافی مال و دولت کے ساتھ واپس وینس لوٹ آئے۔

سنہ 1271 میں نکولو پولو نے بیٹے مارکو پولو اور اپنے بھائی مافیو پولو کے ساتھ ایک بار پھر چین کا سفر کیا۔ اس وقت مارکو کی عمر صرف سترہ برس تھی۔ ان لوگوں نے یروشلم سے مقدس تیل لیا اور اسے عظیم قبلائی خان تک پہنچانے کے سلسلے میں فلسطین سے چین کے لیے روانہ ہوئے۔ سفر کے آغاز میں مارکو کو یروشلم سے چین تک پہنچنے کے لیے پہاڑوں، ندیوں اور سمندروں سے گزرنا پڑا۔ اس خطرناک سفر کے دوران کچھ لوگوں نے انھیں درمیان میں ہی چھوڑ دیا لیکن محض سترہ سال کی عمر میں مارکو نے آرمینیا کے دشوار گزار پہاڑوں کو پار کرنے کا اہم کام کیا۔ یوروپ سے چین کے لیے زمینی راستے کی تلاش کرتے ہوئے مارکو نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ پہلی مرتبہ درختوں اور پھولوں کی نئی اقسام دیکھی تھیں، جن میں خاص طور پر کپاس کے پھول شامل تھے۔ اس سفر کے لیے مارکو پولو کے ذریعہ اختیار کردہ راستہ ہی اب سلک روٹ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس میں اسے عراق اور بغداد سے گزرنا پڑا۔ ایک ایسے وقت میں جب وہاں جنگ جاری تھی اور لوٹ مار، قتل و غارت کی زیادتیوں کے ذریعہ عراق میں اپنے جوہر دکھا رہی تھی۔ مارکو پولو نے وہاں کے مشکل راستوں اور تمام

مشکلات سے گزر کر ہمت کا مظاہرہ کیا۔ بغداد کے بعد ایران کے راستے وہ شانگڈو (بیجنگ) پہنچے۔ بیجنگ پہنچتے ہوئے مارکو پولو نے یقینی طور مشرقی ممالک کے عوام کی کئی غلط فہمیاں جو مغربی ممالک کے لوگوں کے بارے میں بنائی ہوئی تھیں، سب ختم کر دی تھیں۔ ماضی کے بارے میں مارکو پولو کے یوروپ میں کہاوتیں تھیں کہ وہاں دانووں کی نسلیں موجود ہیں، جبکہ بہت سی کہانیوں میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ زمین کا خاتمہ ہے اور یہیں جنت ہے۔ یہ بات یہاں واضح ہے کہ جب مارکو پولو یہاں سے گزرے تو یہ سب جھوٹ ثابت ہوا۔ انھیں نہ تو راستے میں کتے کے سر والے لوگ ملے اور نہ ہی اتنے بڑے کانوں والے لوگ ملے کہ جن میں سویا بھی جا سکتا تھا۔

انھوں نے ہندوکش نامی پہاڑ کو پار کیا، پہلے یہ لوگ چین کے ایک چھوٹے سے قصبے کاشغر میں پہنچے اور پھر مہینوں کے تکلیف دہ سفر کے بعد گوبی کے صحرا کو پار کیا اور کیمپین شہر پہنچے۔ مارکو پولو سنہ 1275 میں قبلائی خان کے دربار میں پیش ہوئے۔ حکمراں قبلائی خان ان سبھی لوگوں کی دوبارہ آمد سے بے حد خوش ہوا اور ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس بار قبلائی خان نے مارکو پولو کو اپنے یہاں رکھ لیا اور مارکو کے والد اور چچا کو بہت سی دولت دے کر روانہ کیا۔ مارکو پولو نے اپنی رہائش کے دوران وہاں کی زبان، لباس، کھان پان اور طرز زندگی کو سیکھ لیا اور ان سب کو اپنی کتاب 'دی بک آف مارکو پولو' میں شائع کیا، جو کہ گزشتہ کئی صدی سے سفرنامے کی سب سے اہم کتاب مانی جاتی ہے۔ چین میں تقریباً ایک دہائی تک رہنے کے بعد سنہ 1295 میں مارکو جب وینس لوٹے تو اس وقت وہ 41 برس کے تھے۔

مارکو نے چین کے بعض صوبوں اور شہروں میں گھومتے ہوئے اہم حقائق جمع کیے۔ سفیر کی حیثیت سے کام کرنے کے دوران مارکو پولو کو جو سب سے بڑی ذمہ داری دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ قبلائی خان کے بھتیجے 'آرگن' کے لیے تلاش کی گئی لڑکی 'کوکوچن' کو پرشیا تک لانا جہاں اس کی حکمرانی تھی۔ اس سفر کے لیے مارکو نے انھیں چین کے صوبہ جاتون پروونس اور ساترا کے راستے فارس پہنچانا پڑا، اس سفر کے لیے انھوں نے 14 کشتیوں کا سہارا بھی لیا تھا جس سے خوش ہو کر قبلائی خان نے مارکو کو باعزت یونگ چاؤ شہر کے گورنر کا عہدہ دیا تھا۔ اس وقت مارکو نے پہلی مرتبہ مشرقی ممالک کی آنکھوں دیکھی حقیقی تفصیلات کو یوروپ تک پہنچایا۔ اسی نے مشرقی ممالک کے درمیان پہنچ کر کاروباری امکانات تلاش کیے۔ 95-1292 میں وہ یوروپ واپس لوٹے لیکن وینس اور جنیوا کے مابین جنگ ہونے کی وجہ سے مارکو پولو کو قید کر لیا گیا اور 1296 سے لے کر 1298 تک انھیں جیل میں رہ کر اپنا وقت گزارنا پڑا۔ اسی وقت جیل میں قید رہ کر مارکو پولو نے اپنا تاریخی سفرنامہ لکھا۔ چین کے علاوہ مارکو پولو نے برما اور سری لنکا کا بھی سفر کیا تھا۔ سنہ 1324 میں اس بڑے اور بہترین مسافر کا وینس میں انتقال ہوگیا۔

اس نے کہا تھا: میں نے اب تک جو کچھ بھی دیکھا تھا، اس کا آدھا بھی اپنے لوگوں کو نہیں بتایا، کیونکہ میں جانتا تھا یہ لوگ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ موت کے آخری وقت میں وینس (اٹلی) کی ایک بڑی شخصیت اور کھوج بین کے ماہر سیاح مارکو پولو کے یہ الفاظ مشرق کی صلاحیت کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

■

Sayyed Fauqul Arfen
N-93, Fourth Floor, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025
Mob.: 9990930097

غیر مطبوعہ

"اُردو ہندی"

کوثر صدیقی، بھوپال
9926404171

سنسار میں پیارا ہندوستاں ہمارا
ہم دیش واسیوں کو جنّت سے بھی ہے پیارا
جس طرح گنگا جمنا دو ندیاں ہیں پیاری
ایسی ہی گنگا جمنی تہذیب ہے ہماری

جس طرح ہندو مسلم رونق ہیں اس چمن کی
ایسے ہی ہندی اردو دو بہنیں ہیں وطن کی
اک ماں کی کوکھ ہی سے پیدا ہوئی ہیں دونوں
گنگ و جمن کا پانی پی کر پلی ہیں دونوں

سیکھی ہیں بولنا یہ خسرو کے آستاں میں
پھیلی ہیں بن کے خوشبو بھارت کے گلستاں میں

لے کر پیامِ الفت پھرتی ہیں یہ جہاں میں
کرتی ہے بات دنیا اس مشترک زباں میں
اُردو ہو چاہے ہندی دونوں کو خوب پڑھنا
کر کے پڑھائی اونچی جیون میں آگے بڑھنا

دونوں ہیں میٹھی میٹھی دونوں سے پیار کرنا
منھ سے لگا کے رکھنا دل سے دُلار کرنا

ہندی زباں کی جے
اردو زباں کی جے
ہندوستاں کی جے
سارے جہاں کی جے

KAUSAR SIDDIQUI
Former Editor, Karwan-e-Adab,
Director,
Dabistan-e-Bhopal

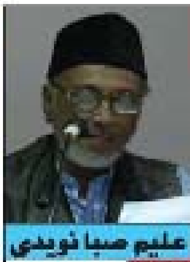
علیم صبا نویدی

بیٹی پڑھاؤ، بیٹی بچاؤ

بیٹی ہے اللہ کی رحمت   بچپن سے ممتا کی مورت
ماں کی پوری سیرت صورت   باپ کی روزی گھر کی برکت
اس برکت سے گھر کو سجاؤ
بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ
ہوتی سراپا مریم و زہرا   بیٹی لکشمی بیٹی سیتا
بنتی کبھی جھانسی کی رانی   بن جاتی کبھی چاند و رضیہ
ان سے ہند کی شان بڑھاؤ
بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ
سمجھو اس کے حسنِ ظن کو   پرکھو اس کی خوبیِ فن کو
علم و ہنر سے اسے سنوارو   مت کہو لعنت ایسے رتن کو
اس نفرت کو دل سے مٹاؤ
بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ
حق کو منوائے گی لڑ کر   پائے گی جب ڈگری پڑھ کر
کس نے ترنگا ہے لہرایا   صبا اسی نے اونچا چڑھ کر
بیٹی ہے اتہاس بناؤ
بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ

■

Aleem Saba Naveedi
No: 192/266, Triplicane, High Road
Flat No: 16, Second Floor, Rice Mandi Street
Chennai - 600005 (TN)

مناجات

مجھے امتحاں سے بچا میرے مولا
لدے بوجھ سارے ہٹا میرے مولا

کوئی کام ہم سے برا ہو نہ پائے
بھلے کام سارے کرا میرے مولا

گناہوں کی دلدل میں ہم پھنس چکے ہیں
ثوابوں کے پربت چڑھا میرے مولا

یہ مانا کہ موسیٰ سے پیارے نہیں ہیں
ہمیں پھر بھی جلوہ دکھا میرے مولا

دعاؤں میں تاثیر پیدا جو کردیں
وہ الفاظ ذہنوں میں لا میرے مولا

پتا ہے تواضع کے لائق نہیں ہیں
مگر اپنا مہماں بنا میرے مولا

جو بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دے
وہ نفرت ہی جڑ سے مٹا میرے مولا

ندامت کے آنسو کو حرمت عطا ہو
نبیؐ کی شفاعت دِلا میرے مولا

جہنم کا ڈر ہے نہ جنت کی خواہش
ضروری ہے تیری رضا میرے مولا

■

Dr. Kaleem Zia
A/103, Rawal Enclave, Rawal Nagar
Opp: Rawal School &College
Nr: Mira Road Station, MiraRoad (East)
Distt.:Thane- 401107 (MS)

نصیحت

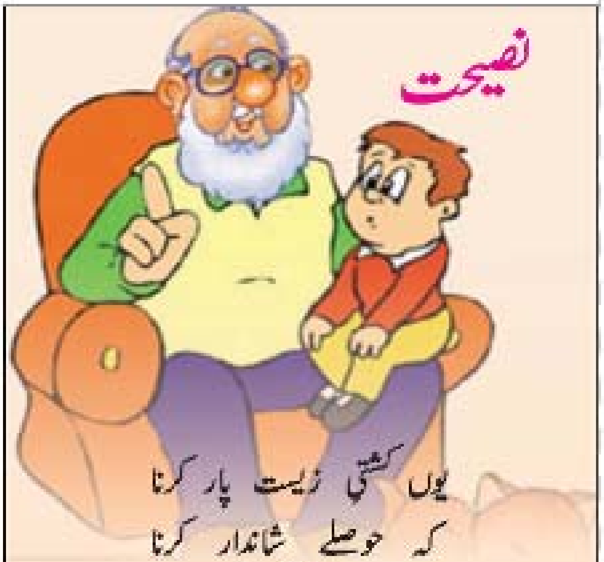

یوں کشتیِ زیست پار کرنا
کہ حوصلے شاندار کرنا
ہیں کام جتنے بھی خیر والے
وہ کام تم بار بار کرنا
جلانا علم و ہنر کی شمعیں
فضاؤں کو نور بار کرنا
جو راستے ہوں صداقتوں کے
وہ راستے اختیار کرنا
لڑائی جھگڑا بری ہے عادت
ہر ایک انساں سے پیار کرنا
ہو سرزمینِ وطن جو پیاسی
لہو تم اپنا نثار کرنا
یہ بغض و کینہ بری بلا ہے
نہ اس سے دل کو غبار کرنا
عمل سے آئیں گے دن خوشی کے
فراق یہ اعتبار کرنا!!

■

Firaq Jalalpuri
Mohalla: Qazipura
Post: Jalalpur
Distt: Ambedkar Nagar - 224149 (UP)

رشدہ اور سدرہ کا طوطا

رشدہ نے ہے طوطا پالا
کتنا سندر اور نرالا
سندر مکھڑے پر ہے لالی
آنکھیں اس کی ہیں متوالی
کیسی پیاری کیسی نیاری
ہے گردن میں ایسی دھاری
میٹھی میٹھی شہد میں ڈوبی
بولی اس کی خوب رسیلی
پنجڑے میں وہ بیٹھا رہتا
سدرہ سے بھی باتیں کرتا
صبح سویرے کلمہ پڑھتا
نام ہمیشہ رب کا لیتا
باتیں وہ کرتا ہے ایسی
جیسے کہ انساں ہو کوئی
باغ اور جنگل کا یہ پنچھی
بنا ہے ساحل گھر کا باسی

■

Dr. Armoghan Sahil
4/160 Mandai, Keshwar Khan
Sasaram-821115
Mob : 9430901110

یومِ اطفال: 14 نومبر

ان کا بچپن نہ چھینے کوئی بھی

یومِ اطفال آیا ہے بھائی
ہو مبارک اے مفضال بھائی

بانصیب آج بچے ہیں لیکن
دل کے سارے ہی بچے ہیں لیکن

ہوٹلوں اور دکانوں میں بچے
کام کرتے نہیں لگتے اچھے

ہیں یہ بچے کسی باپ، ماں کے
منتوں اور مرادوں کی جاں کے

یومِ اطفال کیوں یہ منائیں
جھوٹی سرکار کا من بڑھائیں

کل کا معمار ان کو کہا ہے
بولو ان سے یہ کیسی وفا ہے

ذی وقار آج بچے بنیں گے
وہ بھی پروان چڑھتے رہیں گے

زندگی بھی ملے ان کو ایسی
ان میں ہو بس جھلک طفل جیسی

ان کا بچپن نہ چھینے کوئی بھی
سب کو بچپن میسر ہے جب ہی

آنکھ کے ہیں یہ تارے سبھی کے
ہیں دلارے بھی اپنے نبیؐ کے

جان نہرو چچا کی ہیں بچے
رکھ حکومت تو ان کو بچا کے

یومِ اطفال کا ذکر کرکے
سارے معصوم کی فکر کرکے

دو تحفظ ہر اک آدمی کو
اب مٹاؤ وطن سے بدی کو

تب منائیں گے بچوں کا دن ہم
باپ ماں کو بھی ہوگا نہ کچھ غم

■

Mehnaz Bano
Kankinara Urdu Girls High School
B.L. No: 4, H. No: 5, Kankinara
24 Parganas (North) - 743126 (West Bengal)

گیت پیار کے

پیار کی دکان کوئی کھولتا،
بول میٹھے بول کوئی بولتا۔
تلخیاں فضا میں ہیں گھلی ہوئی،
مصری کی مٹھاس کوئی گھولتا۔
بات جنگ کی نہیں کرے کوئی،
امن کے لیے جیے مرے کوئی،
گفتگو میں کاش ہر ایک آدمی،
بولنے سے پہلے لفظ تولتا۔
سوکھے پھولوں کو کوئی نکھارتا،
کوئی اس چمن کو پھر سنوارتا،
گنگناتا گیت پیار کے کوئی،
اور بھنورا بن کے کوئی ڈولتا۔
دیکھنے میں چاہے ہم انیک ہیں،
اصلیت میں سارے لوگ ایک ہیں،

■

Mohammad Jalaluddin Khan
Near Jama Masjid, Rauniyari Tola
Distt.: Deoria - 274001 (UP)

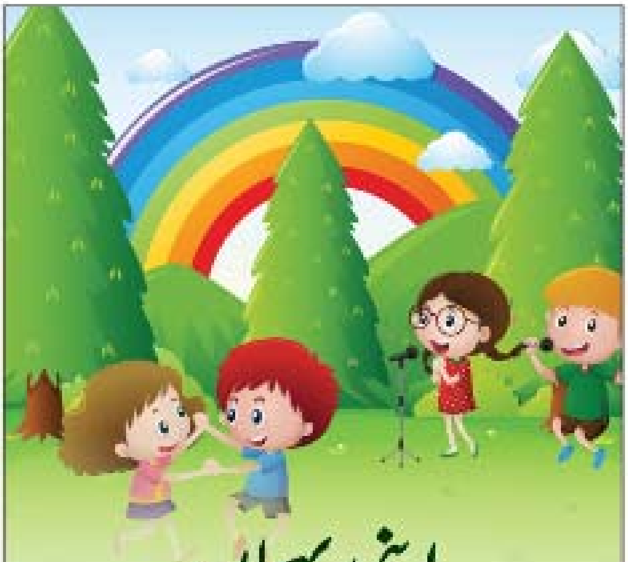

اپنی پہچان

اچھوں کی ہے یہ پہچان   بن کے رہتے ہیں انسان
کرتے کام وہ ایسے ہیں   جس سے بڑھتی ان کی شان
بغض و حسد اور کینہ کو   دل سے کرتے وہ دفعان
ہر پل رب کی کرتے یاد   تاکہ خوش ہو وہ رحمان
بھولے بھٹکے لوگوں کو   راہ دکھانی ہے آسان
کرکے نیکی اوروں کی   رکھتے کبھی نہ وہ احسان
کرتے کام وہ ایسے ہیں   جس سے راضی ہو رحمان
دولت، عزت، شہرت کو   رب کا جانتے ہیں احسان
نعمت کی وہ کرتے قدر   تاکہ بڑھے عزت ہر آن
سیدھی راہ پہ چلنے سے   بچ کے رہتا ہے ایمان

ناصر تم جو غور کرو
راحت کے ہیں یہ سامان

■

Dr. Abdur Nasir
C-24, Okhla Vihar
New Delhi - 110025

کھینچ

بانو سرتاج

گاؤں کے ایک لڑکے کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ وہ سسرال بس شادی کے لیے ہی گیا تھا۔ اب اُسے بیوی کو لانے سسرال جانا تھا۔

سسرال روانہ ہونے سے پہلے اسے گھر کے لوگوں نے بہت سی باتیں سمجھائیں۔ دراصل وہ بہت شرمیلا اور بھولا تھا۔ اسے دنیاداری کا علم نہیں تھا۔ گھر کے لوگوں کو ڈر ہوا کہ سسرال میں تنہا جائے گا تو کہیں اس کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

''دیکھ بیٹا، سسرال میں زیادہ باتیں نہیں کرنا۔'' ماں نے کہا۔

''میں منہ ہی نہیں کھولوں گا ماں، تم بے فکر رہو۔'' نوجوان نے جھٹ سے کہا۔

''اف فوہ! میں نے کب کہا کہ منہ بند رکھنا۔'' ماں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''میں نے کہا ہے باتیں کم کرنا۔ زیادہ باتیں کرنے میں زبان پر قابو نہیں رہتا۔''

''چاچی بولیں'' بہو سے چاہے جتنی باتیں کرنا مگر ساس سسر اور گھر کے بڑوں سے باتیں کرنے میں محتاط رہنا۔''

''وہ کچھ پوچھیں تو جواب دینا بس۔ خود سے کچھ نہ بولنا۔'' ماں نے پیار سے سمجھایا۔

''اچھا ماں! ایسا ہی کروں گا۔'' نوجوان نے سعادت مندی سے کہا ''اور کچھ؟''

''ہاں بٹوا... ایک بات اور یاد رکھ!'' دادی نے پوتے کو پیار سے اپنے نزدیک بٹھاتے ہوئے کہا ''کم بولنے سے زیادہ اہم ہے کم کھانا۔ سسرال میں کھانا کم ہی کھانا۔''

''بھوک تو لگتی ہے دادی!'' نوجوان نے سادگی سے کہا۔

''ارے! تو تجھے کوئی بھوکا تھوڑے ہی رکھے گا۔'' دادی پیار سے بولیں ''داماد پہلی مرتبہ سسرال پہنچے گا تو خوب خاطر تواضع ہوگی۔ طرح طرح کے پکوان بنا کر تیرے سامنے رکھے جائیں گے۔ تو کھانے پر ٹوٹ نہ پڑنا۔''

''بکر بکر کھانا نہیں۔'' ماں نے ساس کا ساتھ دیا۔

''تو کیسے کھاؤں؟ آہستہ آہستہ، چبا چبا کر۔''

''کھانا تو ہمیشہ اچھی طرح چبا کر ہی کھایا جاتا ہے۔ سسرال میں بھی ویسے ہی کھانا... مگر بہت تھوڑا کھانا۔''

''کیوں دادی؟''

''ارے بھکروں کی طرح کھائے گا تو وہ سمجھیں گے تجھے اپنے گھر میں کھانا نہیں ملتا۔ ہماری بے عزتی ہوگی۔''

''اچھا دادی، میں وہاں کم کھانا کھاؤں گا۔''

ایک نوکر کو خوب ساری ہدایتیں دے کر نوجوان کے ہمراہ کر دیا گیا۔ دونوں سویرے گھر سے نکلے اور سہ پہر تک سسرال پہنچ گئے۔ وہاں نوجوان کا زوردار استقبال ہوا۔ ٹھنڈا پانی پیش کرنے کے بعد بھوجن کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سسر اور گھر کے بڑے اس سے اس کے گھر کا حال پوچھتے رہے۔ نوجوان ہوں ہاں، کرتا رہا، مختصر جواب دیتا رہا۔ سسرال والے بڑے مرعوب ہوئے کہ داماد جی بڑے شریف اور لحاظ والے ہیں۔

رنگین پاٹ پر نوجوان کو بٹھایا گیا۔ سسر، دادا سسر، چاچا سسر، سالے سب ہاتھ باندھے چاروں طرف کھڑے ہوگئے۔ سامنے چوکی رکھی گئی اور اس پر کھانے کی تھالی۔ ایک سے ایک پکوان سجا تھا تھالی میں۔ نوجوان نے بے صبری سے ہاتھ بڑھایا کہ نوکر کھنکارا۔

نوجوان نے سنبھل کر آہستہ سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے چھوٹا سا لقمہ اٹھایا۔

''داماد جی! بھوجن کے ساتھ انصاف کرو۔ سب کچھ آپ ہی کے لیے بنایا گیا ہے۔'' بڑے سالے نے عاجزی سے درخواست کی۔

''دیدی نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔'' چھوٹے سالے نے مذاق کیا۔

نوجوان شرمیلا تو تھا ہی پھر آس پاس اتنے سارے لوگ کھڑے اُسے دیکھ رہے تھے۔ نظریں جھکا کر آہستہ آہستہ لقمہ چباتا ہوا بولا ''سب ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔ کھا رہا ہوں۔ آپ لوگ چنتا نہ کریں۔''

''کیسے چنتا نہ کریں؟'' ایک بڑھو کو ایک نادر خیال آیا ''کہیں آپ کے دانت میں درد تو نہیں۔''

''نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔'' نوجوان نے بے ساختہ کہا اور ایک بڑا لقمہ منہ میں بھر لیا... نوکر کھنکارا... نوجوان نے گھبرا کر ہاتھ روک لیا۔

''داماد جی، ہاتھ کیوں روک لیا؟''

''بس، ہوگیا بھوجن!''

''ایسے کیسے ہوگیا بھوجن؟ تھالی میں بھوجن جیسا کا ویسا رکھا ہے۔''

''میں... کھا چکا جتنا کھانا تھا۔''

''اوہ! کہیں آپ کا پیٹ تو خراب نہیں چل رہا۔''

''بڑی چنتا کی بات ہے۔ نوجوانی میں اتنا کم کھاتے ہو تو بڑھاپے میں تو کچھ نہ کھا سکو گے۔''

سسر جی چنتا کرتے رہے۔ نوجوان اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

نوکر کو کھانا پروسا گیا۔ اس نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

سفر سے آئے تھے۔ آرام کا انتظام کر دیا گیا۔ تھکے ہوئے تھے۔ دونوں سو گئے۔

رات کے کھانے پر غضب ہو گیا۔ نوجوان کی تھالی میں کم تیل مرچ کا سالن اور ابلی ہوئی کھچڑی پیش کی گئی۔ سسر جی پیار سے بولے:

''داماد جی! ہلکا کھانا بنوایا ہے خاص طور سے۔ زیادہ کھایا جائے تو پیٹ بھی خراب نہ ہوگا۔''

نوکر کو کھنکارنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نوجوان نے بڑی مشکل سے چار لقمے کھائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں داماد جی؟ کیوں داماد جی!'' کئی آوازیں ابھریں۔

''ابھی چار بجے تو کھانا کھایا تھا۔ بھوک نہیں ہے۔''

نوکر کو بھی پکوان پروسے گئے۔ آخر وہ داماد جی کا نوکر تھا۔ پیٹ بھر کر کھایا اس نے۔ رات کو بستر چھت پر لگائے گئے۔ دونوں لیٹ گئے۔ نوجوان بے چین تھا۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ بھوک کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ آخر اٹھ کر چکر کاٹنے لگا۔ نوکر نے پوچھا:

''مالک! کیا بات ہے؟ نیند نہیں آرہی؟''

''نیند کیسے آئے گی؟ پیٹ بھروں کو نیند آتی ہے، بھوکوں کو نہیں۔'' نوجوان جل کر بولا ''تجھے کیا؟ تو نے تو دونوں بار پیٹ بھر کر کھایا ہے۔''

''مگر مالک..... نوکر ہکلا کر بولا ''مجھے تو کم کھانے کی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔''

بات صحیح تھی۔ نوجوان نرم پڑ کر بولا ''تو سو جا... میں بھگت رہا ہوں۔''

نوکر واقعی سو گیا۔ نوجوان ٹہلتا رہا۔ چھت پر کی چیزیں خواہ مخواہ الٹتا پلٹتا رہا۔ اسے ایک جگہ ایک گول پتھر رکھا نظر آیا۔ اس نے غصہ سے اسے الٹ دیا۔

نیچے جھانکنے لگا۔ دراصل وہ ایک سوراخ پر رکھا ہوا تھا... وہ بھنڈار گھر (اسٹور روم) تھا۔ نوجوان حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔ طرح طرح کی مٹھائیاں رکھی نظر آرہی تھیں۔ وہ سوچنے لگا۔ اسے ایک آئیڈیا آیا۔ اس نے دھوتی اتار کر چھت کی جالی میں باندھی، دوسرا سرا اپنی کمر سے باندھا۔ نوکر کو جگایا، بولا:

''میں دھوتی کے سہارے نیچے بھنڈار گھر میں اتر رہا ہوں۔ پیٹ پوجا کرتا ہوں۔ جب میں کہوں گا کھینچ... تو تو مجھے اوپر کھینچ لینا۔''

نوکر سوراخ کے کنارے بیٹھ گیا۔ نوجوان نیچے اتر گیا۔

پیٹ بھر کر مٹھائیاں کھا لینے کے بعد نوجوان کو غنودگی آ گئی۔ وہ سو گیا...

کافی دیر بعد اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے نوکر کو آواز دی ''کھینچ۔'' کوئی جواب نہ آیا۔ وہ پھر بولا... ''کھینچ... کھینچ۔'' اوپر نوکر کو بھی نیند لگ گئی تھی۔

نوجوان چڑھ کر، دانت پیس پیس کر پکارنے لگا... ''کھینچ... کھینچ... کھینچ'' آہستہ آہستہ اس کی آواز بلند ہوتی گئی۔ نوکر بے خبر سوتا رہا۔

ادھر گھر میں کسی کی آنکھ کھلی تو کھینچ کھینچ سن کر اس نے سب کو جگا دیا۔ کوٹھری بند... اندر سے کھینچ کھینچ کی آواز۔ ضعیف الاعتقاد لوگ تھے۔ سمجھے کوئی بلا گھس آئی ہے۔ فوراً ایک سالا دوڑا اور اوجھا کو بلا لایا۔

اوجھا، ڈھونگی تھا۔ اس نے کچھ منتر جنتر پڑھے پھر بولا ''زبردست بلا ہے۔ سفید رنگ کی ہے پر جب چاہے شکل بدل لیتی ہے۔ کسی کے بھی شریر (جسم) میں گھس جاتی ہے... مہیلاؤں (عورتوں) کو بھیتر (اندر) بھیج دو پہلے۔''

"کچھ کرو اوجھا جی، کچھ کرو..." داماد سسر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جب ہمیں بلایا ہے تو ہم کچھ کریں گے ضرور۔ ابھی بلا کو باہر نکالے دیتے ہیں... مگر ہمیں سو روپیہ دکشنا دینی ہوگی۔"

"یہ لیجیے سو روپیہ اور جلدی نکالیے بلا کو۔ داماد جی آئے ہوئے ہیں۔ وہ کیا سوچیں گے؟" سسر نے اوجھا کو سو روپے تھما دیے۔

اوجھا بولا "آپ لوگ لاٹھیاں لے کر دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو جایئے۔ جیسے ہی بلا باہر نکلے... مار مار کر اسے ادھ مرا کر دیجیے۔"

نوجوان اندر سے سب باتیں سن رہا تھا۔ اس نے آٹے کا کنستر اٹھایا اور دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی اوجھا اندر گھسا اس نے ٹانگ مار کر اسے گرا دیا اور کنستر اس پر الٹ دیا اور کنڈی لگا دی۔ اوجھا زور زور سے چلانے لگا۔

شور سن کر نوکر جاگ گیا۔ اس نے فوراً نوجوان کو اوپر کھینچ لیا۔

اوجھا آنکھیں ملتا ہوا کنڈی کھول کر باہر نکلا تو اس پر دنادن لاٹھیاں پڑنے لگیں۔ کسی طرح جان بچا کر وہ بھاگا۔

دوسرے دن نوجوان بالکل نہیں شرمایا۔

اس نے کھل کر سب سے باتیں کیں۔

پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور بیوی کو لے کر خوشی خوشی اپنے گھر لوٹ گیا۔

■

Dr. Bano Sartaj
Opp: Akashwani
Civil Lines
Chandarpur - 442401 (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.............................. بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زر تعاون سالانہ -/100 روپے IFSC: SYNB0009009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

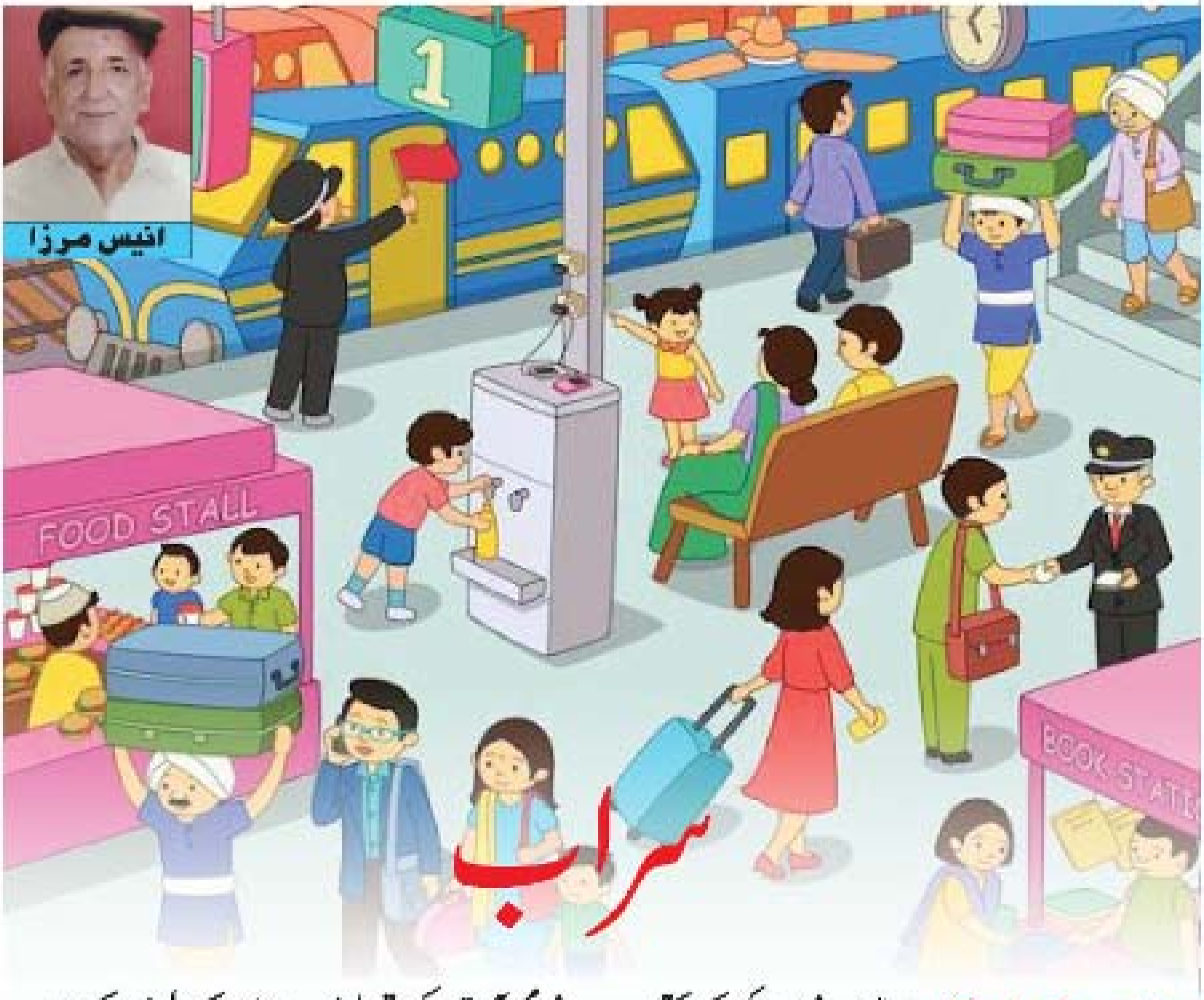

انیس مرزا

سراب

ریلوے بک اسٹال سے میں نے اردو کی ایک کتاب اور اخبار خریدا اور اپنا سفری بیگ اٹھا کر پلیٹ فارم پر کھڑی ٹرین میں اپنا کوچ تلاش کرنے لگا۔ کوچ مل گیا، اس ڈبے میں ایک خاتون اور آٹھ–نو سال کی ایک پیاری سی بچی موجود تھی۔ میں اُن کے سامنے کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہوئی، چند لمحوں تک میں باہر بھاگتے ہوئے سرسبز کھیتوں کو دیکھتا رہا پھر میں نے اخبار کھول لیا۔ وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ ٹرین کچھ دیر کے لیے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی تو میں ڈبے سے چہل قدمی کے لیے باہر نکل آیا۔ پھر ٹرین چلتے ہی واپس آیا تو وہ بچی با آواز بلند میرا اخبار پڑھ رہی تھی اور خاتون آنکھیں بند کیے سُن رہی تھی، بچی نے مجھے آتے دیکھا تو جلدی سے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

”کوئی بات نہیں بے بی!......“ میں نے مسکرا کر کہا......

”پڑھتی رہو......“

”بہت بہت شکریہ......“ بچی کھل اٹھی......”دراصل میں اسکول میں اُردو پڑھتی ہوں اور مجھے پریکٹس کی ضرورت ہے، کیا کہتے ہیں...... ہاں مشق کرنے کی ضرورت ہے۔“ یہ کہہ کر بچی نے پُر امید نظروں سے خاتون کی طرف دیکھا......”آنٹی! اجازت ہے......؟“

”پہلے ان صاحب سے پوچھ لو کہ یہ اخبار پڑھ چکے ہیں......؟“ خاتون نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ہاں! میں پڑھ چکا ہوں......“ میں نے بچی کے

پوچھنے سے پہلے جواب دے دیا۔ ’’اور بے بی! تم بہت اچھی اردو جانتی ہو۔‘‘

یہ سُن کر بچّی کی آنکھیں چمکنے لگیں...... ’’اچھا! لیکن مجھے یقین نہیں آتا، کبھی کبھی ٹیچر مجھ سے مایوس ہو جاتی ہیں، میں انھیں بتاؤں گی کہ ایک شریف انسان نے......؟‘‘

’’میرا نام اشرف سہیل ہے اور میں......‘‘

’’اچھا اشرف سہیل، ٹھیک ہے، میں ٹیچر کو بتاؤں گی کہ وہ اُردو جانتے تھے......‘‘

’’سائرہ! یہ کیا بدتمیزی ہے، معافی مانگو ان سے......‘‘ خاتون نے اُسے ٹوکا تھا۔

’’میں معافی چاہتی ہوں جناب......‘‘

’’کوئی بات نہیں......‘‘ میں نے خوشدلی سے کہا پھر میں خاتون سے مخاطب ہوا جسے بچّی نے آنٹی کہہ کر پکارا تھا۔ ’’ہندوستانی کہاوت ہے کہ بچّوں اور اجنبی مسافروں کو عام لوگوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ کسی سے کچھ بھی پوچھ سکتے ہیں، اس اعتبار سے سائرہ کو دوگنا حق حاصل ہے۔‘‘

خاتون نے سر کو ’’ہاں‘‘ میں ہلایا اور دوبارہ آنکھیں موندلیں اور یوں مجھے اس کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا، وہ طول قامت اور باوقار تھی، ورنہ عام طور سے لمبی عورتیں بدنما لگتی ہیں، اس کے بال سائرہ کے بالوں کی طرح شہد رنگ تھے اور جھیل جیسی آنکھیں نیلی تھیں اور آخری جو چیز میں نے محسوس کی تھی وہ کھلی ہوئی تھیں، مجموعی طور سے وہ چہرہ ایک ایسی عورت کا چہرہ تھا جو سرد نہیں تھی، لیکن خود کو سرد ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

میں کافی عرصے سے حسّاس اور جذباتی عورتوں کو دیکھتا رہا تھا، میرے لیے اس عورت کو دیکھنا ایک خوشگوار تبدیلی تھی، عورت کی انگلی میں موجود انگوٹھی اِس کے شادی شدہ ہونے کی علامت تھی، پھر بھی...... نہ جانے کیوں میرا جی چاہا کہ میں اسے باطن کے حوالے سے جان سکوں جو اوپر سے برف اور اندر سے آگ تھی۔

دوسری طرف بچّی میرا جائزہ لے رہی تھی...... ’’کیا آپ نے سارا ہندوستان دیکھا ہے......؟‘‘

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

’’تب تو آپ ہاتھی پر بھی بیٹھے ہوں گے......؟‘‘

’’میں تو نہیں بیٹھا، لیکن میں نے لوگوں کو بیٹھے دیکھا ہے۔‘‘

بچّی نے ایک گہری سانس لی اور بولی...... ’’کتنا مزہ آتا ہوگا۔‘‘

پھر چند لمحے وہ اخبار دیکھتی رہی پھر شرمیلے لہجے میں بولی...... ’’مجھے ہندوستان کے بارے میں بتائیں، مجھے پورا ہندوستان دیکھنے کا بہت ارمان ہے۔‘‘

میں نے سوچا اب خاتون مداخلت کرے گی، لیکن وہ آنکھیں موندے خاموش بیٹھی رہی۔

’’تم سوال پوچھو، جو مجھے معلوم ہوگا ضرور بتاؤں گا۔‘‘ میں نے کہا...... ’’اچھا اب مجھے اندازہ لگانے دو۔ مراد آباد کی ہو اور چھٹیاں گزارنے کے بعد گھر جا رہی ہو......؟‘‘

’’جی نہیں!......‘‘ سائرہ نے فاتحانہ انداز میں کہا...... ’’ہم دلّی کے ہیں اور یہ ہمارا گھر ہے۔‘‘

’’یہ ٹرین......؟‘‘ میں نے مزاحیہ لہجے میں پوچھا۔

بچّی کھلکھلا کر ہنس پڑی...... ’’آپ عجیب ہیں، بھلا ٹرین پر بھی کوئی رہتا ہے، ہم دلّی میں رہتے ہیں۔‘‘

میں حیران رہ گیا، کیا یہ محض اتفاق ہے...... ’’کمال ہے، میں بھی دلّی جا رہا ہوں۔‘‘

’’تب تو بہت مزہ آئے گا، آپ ہمارے گھر آئیے

گا...... کیوں آنٹی!......؟'' وہ خاتون کی طرف مخاطب ہوئی۔

خاتون نے آنکھیں کھول دیں، اُن میں ہلکی سی برہمی تھی، اُس نے ترش لہجے میں کہا...... ''مسٹر اشرف کا اپنا بھی کچھ پروگرام ہوگا......؟''

اس میں شک نہیں کہ میرے پروگرام میں شناساؤں سے ملاقات کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن اس طرح میں خاتون کو تھوڑا سا جھنجوڑ سکتا تھا۔ ''نہیں! کوئی خاص پروگرام نہیں ہے، میں چھٹیاں گزار کر آرہا ہوں۔'' میں نے خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور جزوی طور پر کامیاب بھی ہوا، نیلم کے ٹکڑوں جیسی وہ سرد آنکھیں چند لمحے مجھے گھورتی رہیں جیسے اس بات کا محرک سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں، پھر وہ دھیمے لہجے میں بولی...... ''خوش قسمتی ہے ہماری اور ہاں! سائرہ یہ مسٹر اشرف کی مہربانی ہے کہ انھوں نے تمھیں اخبار دیا، بہت باتیں ہو چکیں، اب تم اخبار پڑھو۔''

''لیکن مسٹر اشرف مجھے ہندوستان کے بارے میں بتانے والے تھے۔'' سائرہ نے احتجاج کیا۔

''وہ رسماً ایسا کہہ رہے تھے، مجھے یقین ہے کہ وہ باہر کے خوبصورت مناظر دیکھنا پسند کریں گے۔''

سائرہ دانتوں میں ہونٹ دبا کر رہ گئی۔ خاتون کے قطعی لہجے نے اس سے احتجاج کا حوصلہ بھی چھین لیا تھا، اب وہ بہت مایوس نظر آرہی تھی، مجھے اُس پر ترس آگیا، کیونکہ وہ دو بڑوں کی سرد جنگ میں خواہ مخواہ پس رہی تھی، میں نے کہا...... ''میں نے تو یہ کہا تھا کہ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو......؟''

خاتون نے کندھے جھٹک دیے اور بدستور باہر کے مناظر دیکھتی رہی۔ ''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ویسے بھی اب دلّی آنے والی ہے۔'' لہجہ سرد تھا، اس طرح اُس نے جتا دیا تھا کہ بچّی سے چاہے کتنا ہی بے تکلف ہو جاؤں، اس کے لیے اجنبی ہی رہوں گا۔

''اس صورت میں، میں سائرہ کو وہ کہانیاں ضرور سناؤں گا جو ہندوستانی مائیں اپنے بچّوں کو سناتی ہیں۔''

''ہاتھیوں کے بارے میں......؟''

''نہیں! چڑیا اور چڑے کے بارے میں......''

گاڑی دلّی کی طرف بھاگتی گئی، پھر اسٹیشن آگیا، میں نے اپنا بیگ اُتارا اور خاتون کو سامان اُتارنے کی پیش کش کی، جسے نفی میں سر ہلا کر مسترد کر دیا گیا۔ خاتون کی بے رخی میرے لیے ایک چیلنج تھی، لیکن زیادہ اصرار بھی مناسب نہیں تھا......

''ممکن ہے، پھر کہیں ملاقات ہو جائے، آخر ہماری منزل تو ایک ہی ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''ممکن ہے......'' خاتون نے جواب دیا، انداز ایسا تھا جیسے محض تکلفاً مجھ سے اتفاق کر رہی ہو...... ''آؤ سائرہ چلیں۔''

میں نے بچّی کے سر پر تھپکی دی...... ''ممکن ہے اگلی بار میں کوئی بہتر کہانی سناؤں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

سائرہ نے مجھے بڑی خوبصورت مسکراہٹ سے نوازا اور اپنی آنٹی کے ساتھ آگے بڑھ گئی، میں نے خود کو تسلی دی کہ چلو کم از کم بچّے تو مجھ سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک شام مجھے خریداری کرنے کے لیے مال جانا پڑا ہے۔ وہاں میں ایک شوروم میں چیزوں کا انتخاب کر رہا تھا کہ کسی نے میرے ہاتھ کو چھوا، میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ سائرہ تھی اور مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی، خاتون البتہ کہیں نظر نہیں آئی...... ''ہیلو ننھی منّی لڑکی......''

''ہیلو......!'' سائرہ نے کہا اس کا سانس پھول رہا تھا، شاید وہ دوڑتی ہوئی وہاں تک آئی تھی۔ ''میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی، آپ کی وجہ سے میں شرط جیت گئی......'' اس

نے کہا۔

''شرط؟ کیسی شرط سائرہ......؟''

''آج آپ نظر آئے تو آنٹی نے کہا کہ آپ زبردستی ہم سے چپکنے کی کوشش کریں گے، میں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا، یوں میں پچاس روپے کی شرط جیت گئی۔''

میں حیران رہ گیا، عام حالات ہوتے تو بچی یقیناً شرط ہار گئی ہوتی، خاتون نے مجھے بڑی کامیابی سے پڑھ لیا تھا، میں نے جھک کر سائرہ سے کہا......''مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور تم نے شرط جیت لی۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

خاتون سائرہ کو لینے آئی تو خجالت سے اس کے رخسار تمتمارہے تھے۔''سائرہ! میں نے کہا تھا کہ گیٹ پر میرا انتظار کرنا؟'' مسٹر اشرف اگر یہ شریر آپ کو تنگ کر رہی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔''

''ہرگز نہیں! سائرہ مجھے بتا رہی تھی آپ اُس کی پچاس روپے کی مقروض ہیں۔''

''اوہ......!'' خاتون کے رخسار دہک اٹھے......''یوں تو میں آپ کی بھی مقروض ہوں......معذرت کی......''

''معذرت کی ضرورت نہیں......'' میں نے نرم لہجے میں کہا......''تلافی عمل سے ہی اچھی لگتی ہے، کیوں نہ آپ میرے ساتھ ایک کافی میں شریک ہو جائیں۔''

''لیکن یہ سائرہ کے سونے کا وقت ہے......''

''تو صرف آپ سہی......'' میں نے جلدی سے کہا۔

خاتون کچھ ہچکچائی میں نے محسوس کیا کہ وہ بہانہ تلاش کر رہی ہے، پھر شاید اُسے کوئی معقول بہانہ نہیں مل سکا۔ ''ٹھیک ہے، لیکن آپ کو انتظار کرنا ہوگا، میں سائرہ کو سلا کر آتی ہوں، میرا فلیٹ قریب ہی ہے۔''

''اس کا مطلب؟ میں شرط ہار جاؤں گی......'' سائرہ نے کہا اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

''نہیں سائرہ......'' خاتون مسکرائی۔''اچھا اب اشرف صاحب کو گڈ نائٹ کہو......''

''گڈ نائٹ......!'' سائرہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا......

''کل ملیں گے......''

''تم اس پر بھی شرط لگا سکتی ہو......'' میں نے اس کے گال تھپتھپائے تھے۔

وہ چلی گئیں، میں وہیں کھڑا رہا، پھر خریداری کے لیے سامان جمع کرنے لگا، جب تک میں مال سے فارغ ہوا، خاتون واپس آ گئی۔

''آپ کے خیال میں، میں نے آپ کو بلیک میل کر کے اپنا ساتھ دینے پر تو مجبور نہیں کیا......؟''

''بات تو یہی ہے، آپ نے میرے لیے کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا......''

''تو اب آپ کے لیے راستہ کھلا ہے، مجھے زبردستی ناپسند ہے......''

خاتون نے ہنستے ہوئے کہا......''اب تو میں نہیں جاؤں گی اور میرا خیال ہے......آپ یہ جانتے تھے......''

''میں اتنا چالاک نہیں ہوں، جتنا آپ سمجھتی ہیں، آیئے سامنے ریستوران میں چلتے ہیں۔''

ہم ریستوران میں جا بیٹھے، ویٹر آیا تو اُسے کافی اور کچھ کھانے کا آرڈر دیا۔

''میرا نام صنم ہے، صنم آذر......شادی ہوئی تھی، لیکن اب اس شادی کا کوئی وجود نہیں وہ اچھا ثابت نہیں ہوا......ورنہ میں یہاں موجود نہیں ہوتی، ہندوستان میں زیادہ تر بیویاں گھروں کے اندر پائی جاتی ہیں، ہاں! اب آپ اپنے بارے

میں بتایئے، ویسے چہرے سے تو خطرات مول لینے والے اور پیدائشی جواری لگتے ہیں......؟‘‘

’’میرے بارے میں بہ کثرت اندازے قائم نہ کریں، اس کے نتیجے میں آپ پہلے ہی پچاس روپے ہار چکی ہیں......‘‘

صنم آذر کا چہرہ گلابی ہو گیا......’’سائرہ آپ کو بہت پسند کرنے لگی ہے، کیا کرتے ہیں آپ......؟‘‘

’’رائٹر ہوں، کہانیاں، ناول وغیرہ لکھتا ہوں......‘‘

’’آپ کے بارے میں میرا پہلا تاثر اچھا نہیں تھا اور میں ابھی تک اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی، یہ بات آپ کے لیے توہین آمیز ہے لہٰذا اب آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیں......‘‘

’’میں سچ کو کبھی توہین آمیز نہیں سمجھتا......‘‘ یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

صنم آذر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی......’’یا تو آپ بے حد چالاک ہیں یا پھر میں بہت زیادہ بے وقوف ثابت ہو رہی ہوں کاش! مجھے پتہ چل سکتا کہ کون سی بات درست ہے......‘‘

اسی وقت ویٹر کافی اور بسکٹ لے آیا۔ کافی پیتے ہوئے میں چوکنا ہو گیا۔ ہم دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوا تھا۔ میں تجسس میں مبتلا تھا، میں جاننا چاہتا تھا کہ صنم آذر کی سرد مہری کا سبب کیا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں پیش قدمی کی تو صنم آذر بُری طرح بپھر گئی......’’تم بھی دوسروں جیسے ہی ہو، عورت تمھارے لیے محض کھلونا ہے، تمھیں جرأت کیسے ہوئی......؟‘‘

’’یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا یہ ممکن ہے......‘‘ میں نے نرمی

سے کہا......''اسی لیے تو انسان طوفانوں سے لڑتا اور دشوار گزار چوٹیوں کو سر کرتا ہے......''

''انا کی تسکین کے لیے...... میلوری کا فلسفہ......؟''

''لیکن میں میلوری کے فلسفے سے کبھی متفق نہیں ہوا، میرے ایک دوست نے کوہ پیمائی سے اپنے عشق کی وجہ یہ بتائی تھی کہ چوٹی پر پہنچ کر وہ میلوں سے دور تک تھوک سکتا ہے۔''

خلاف توقع صنم آذر ہنسنے لگی، دیر تک ہنستی رہی پھر بولی......''تم بہت عجیب آدمی ہو، میں بازی لگا کر شرط ہار چکی ہوں، شادی کر کے مجھے بڑا تلخ تجربہ ہو چکا ہے اور وہ تجربہ ایک زخم کی صورت میں میری روح پر آج تک سجا ہوا ہے، میں دوسرا زخم نہیں کھانا چاہتی......''

وہ ہمالیہ کی چوٹیوں کی طرح تھی جسے قدم قدم نرمی اور محبت سے ہی مانوس کیا جا سکتا تھا، میں کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں بولے جا رہی تھی......

''یہی حقیقت ہوتی ہے، آنکھوں میں ستارے اور خواب رکھنے والوں کے ساتھ ہر وقت بادلوں میں پرواز کرتے رہتے ہیں...... اچھا میں چلتی ہوں اشرف سہیل صاحب! کافی کا بہت بہت شکریہ...... اور ایک درخواست آپ سے یہ ہے کہ آئندہ آپ دوبارہ ملنے کی کوشش نہ کریں...... بائی......'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور میرے چاروں طرف سناٹا چیخنے لگا اور میں خاموشی کے طلسم میں اسیر ہو گیا۔ یہی ہوتا ہے، جب حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وقت بہت آگے چلا جاتا ہے اور ہم بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

■

Anees Mirza
852, Chandni Mahal, Darya Ganj
Delhi- 110002
Mob. No: 8447862668

قلمکاروں سے گذارش

'بچوں کی دنیا' بہت مقبول رسالہ ہے۔ اس میں عام فہم معلوماتی مضامین، کہانیاں اور نظمیں شائع کی جاتی ہیں۔ بچوں کی ذہنی سطح کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ بعض مضامین میں بہت ثقیل اور اَدق الفاظ ہوتے ہیں۔ اس سے گریز کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

مضمون نگاروں سے گذارش ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کے لیے جو تخلیقات ارسال کریں وہ کسی اور رسالہ/ اخبار کو نہ بھیجیں اور مضمون کے ساتھ اپنا مکمل پتہ مع پن کوڈ، موبائل نمبر اور اپنی تازہ ترین تصویر ضرور ارسال کریں اور اپنا مختصر تعارف (بایوڈاٹا) بھی بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔

میں بھی بچہ تھا

متین الدین

پیارے بچو! مجھے آپ بہت پیارے لگتے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ بچوں کے پاس بیٹھوں، ان کی باتیں سنوں، انھیں اپنی باتیں سناؤں۔ بچو! میں آج آپ سے اپنے بچپن کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ میری پیدائش ایک کسان گھرانے میں ہوئی تھی۔ اِس لیے والد صاحب کے ساتھ جنگل جانا رہتا تھا۔ صبح طلوعِ آفتاب کا نظارہ پیڑوں کی ڈالیوں پر پرندوں کا ایک ساتھ بولنا دل کو بھانے والے نغمہ و میوزک سے کم نہیں ہوتا تھا۔ سورج جب مشرق میں سونے کے پہیے کی طرح چمکنے لگتا اور زمین زعفرانی رنگ میں نہا جاتی تو یہ خوشگوار موسم میرے لیے ایسا ہی ہوتا جیسے موسم کی خوشگواری سے مور اپنے سارے رنگ برنگے پر کھول دیتا ہے اور ناچنے لگتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ خوشگوار موسم تب ہوتا ہے جب صبح کی کرنیں گیہوں کی سنہری بالیوں سے ٹکراتی ہیں، اس وقت لگتا ہے جیسے سارے صحرا میں سونا بکھرا پڑا ہو۔ اِس خوشنما منظر کا صرف حیوان چرند پرند ہی لطف اٹھاتے ہیں۔ انسان تو صرف ان مناظر کے فوٹو ہی اپنے گھروں میں لگا کر خوش ہو جاتا ہے۔

بچو! ان صحرائی پرندوں میں بھی ایک سنجیدہ معاشرہ پایا جاتا ہے جس میں ہمدردی کی داستانیں بہادری کی داستانیں بزدلی اور بے وقوفی کی داستانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ بچو! جنگل کا ایک آنکھوں دیکھا بالکل سچا قصہ سناتا ہوں۔

میں ایک دن اپنے والد صاحب کا دن کا کھانا جنگل کو لے کر گیا تو والد صاحب ہل بیل چھوڑ کر ایک پیڑ کے نیچے کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔ میں بھی پیڑ کے نیچے چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ تبھی ایک چھوٹے سے پرندے نے عجیب سائرن کی سی آواز نکالی۔ جیسے ہی پرندے کی آواز کا سائرن ہوا میں گونجا پرندوں میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ سارے پرندے بے سمت اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور جھاڑیوں میں اور پیڑوں کی شاخوں پر چھپنے لگے۔ میں پرندوں کی اس عجیب حرکت سے حیرت میں تھا۔ تبھی میں نے دیکھا کہ ایک شاہین اپنے شکار کی تلاش میں اس پیڑ پر آ بیٹھا جس پیڑ کے نیچے ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں حیرت میں تھا کہ پرندوں میں بھی اتنا سلجھا ہوا معاشرہ ہے جس میں ہمدردی ہے، بھائی چارہ ہے، ایک چھوٹے سے پرندے نے سارے پرندوں کو اپنی آواز سے چوکنا کر دیا۔ اس چھوٹے سے پرندے کے سائرن کو سمجھ کر

پرندے حفاظتی مقام تک پہنچ گئے۔

دوسرا عمل میں نے یہ دیکھا کہ جہاں پر شاہین آ کر بیٹھا تھا وہاں پر دیکھنے میں کالے مگر بہت ہی خوبصورت پرندوں کے ایک جوڑے کا گھونسلہ تھا جو اپنے انڈوں کی حفاظت میں پڑ رہی تھے۔ وہ پیڑ اور گھونسلے سے باہر آئے اور شاہین کے اوپر منڈرانے لگے اور زور زور سے آواز نکال کر شاید شاہین کو کوس رہے تھے اور موقع ملتے ہی منڈراتے ہوئے شاہین پر اپنی چونچ اور پنجوں سے حملہ کرتے جس کا دفاع شاہین اپنی چونچ کو اوپر نیچے کر کے کرتا۔ اس پر میں حیرت میں تھا کہ اس پرندے کا وجود دیکھو اور اس شاہین کا وجود دیکھو کہ یہ چھوٹا سا پرندہ اپنی جان کی پروا کیے بغیر اپنے دفاع میں کس حد تک لگا ہوا ہے اور اسے قطعاً کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔ نتیجتاً اپنی غیر معمولی کوشش کے ذریعے شاہین کو وہاں سے اڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر بول اٹھا۔ پیارے پرندے تیری بہادری اور حوصلہ کو سلام جو اپنے دفاع میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ اپنے دشمن کو بھگا کر ہی چھوڑا۔ جذبہ اور لگن سے ہی کامیابی قدم چومتی ہے۔

تیسرا ماجرا یہ دیکھا کہ کھیت میں چگتا ہوا ایک خرگوش آ نکلا۔ جیسے ہی خرگوش کی نظر آدمیوں پر پڑی وہیں گھاس میں سہم کر بیٹھ گیا۔ اپنی گردن کو سکوڑتے ہوئے اس حرکت سے اپنے آپ کو یہ میسیج دے رہا تھا کہ مجھے کسی بھی آدمی نے دیکھا نہیں ہے لہٰذا مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ ادھر شکاری خرگوش کی اس حرکت کو پہچان گیا تھا۔ شکاری ڈنڈا لے کر خرگوش کے چاروں طرف گھومنے لگا۔ خرگوش یہ دیکھ کر اور سکڑ گیا کہ اس شکاری نے مجھے دیکھا نہیں ہے جو میرے آگے سے بھی نکل کر پیچھے کی طرف چلا گیا ہے اور خرگوش اپنی اس چالاکی سے خوش تھا کہ میں اس آدمی کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔ جب کہ خرگوش اگر وہاں سے بھاگ نکلتا تو خرگوش کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کو کوئی پکڑ ہی نہیں سکتا لیکن خرگوش کو وہیں گھاس میں چھپنے میں مزہ آ رہا تھا۔ جیسے ہی شکاری نے پیچھے کی طرف سے خرگوش کے قریب آ کر ڈنڈے سے وار کیا۔ وہ ایک ہی وار میں زمین پر تڑپنے لگا اور شکار ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بھی میں حیرت میں تھا کہ خرگوش کی بے وقوفی اور بزدلی نے اسے شکاری کا شکار بنا دیا۔

بچو! یہ تھیں صحرا کی تین کہانیاں جن سے میں نے سبق حاصل کیا کہ دوسروں کے تئیں ہمدردی پر کائنات کا وجود قائم ہے، اپنے دفاع سے ہی زندگی سلامت رہتی ہے اور بزدلی و بے وقوفی سے ذلت و رسوائی اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امید ہے یہ سچی کہانیاں آپ کو بھی پسند آئیں گیں اور آپ بھی ان سے سبق حاصل کریں گے۔

■

Matinuddin
Tr.P. Umri Kalan
Distt.: Moradabad - 244501 (UP)
Mob.: 9690287383

جوابات

(17) شکلیں

(1)	ٹ.........ٹ	ٹہ	ٹا	
(2)	ج.........جا	جہ	ج	
(3)	ک.........ک	ک	کا	
(4)	ش.........شہ	شہ	شا	■

ماخذ: اردو زبان کا جادو (پارٹ 1)، ادارہ، سنہ اشاعت: تیسری طباعت 2009، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

زیب النسا

خواب ایک مچھلی کا

ایک دن کی بات ہے سمندر کے کنارے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہیں پاس میں بکھری ریت پر سیپیاں پڑی تھیں۔ کنارے پر ایک مچھی آئی جس کا نام حریم تھا اور وہاں ریت پر پڑی سیپ سے بولی:

"کیا تم مجھے اپنے اندر رکھا موتی دے سکتی ہو؟"

مچھلی کی بات سن کر سیپ غصے سے بولی "کیوں دے دوں تمھیں موتی؟ اتنا بھی نہیں جانتیں کہ موتی کا گھر سیپ ہوتا ہے۔"

سیپ کی بات سن کر مچھلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ روتے ہوئے وہ سیپ سے بولی: "اگر تم مجھے موتی دے دو گی تو میں اس کی مالا بنا کر پہنتی۔"

مچھلی کی ایسی بھولی بات سن کر سیپ ہنس پڑی اور پھر اس سے بولی "چلو ایک پل کے لیے مان لو کہ میں نے تمھیں موتی دے بھی دیا تو یہ مالا بنا دھاگے کے کیسے بنی گی؟"

اس پر مچھلی بولی "میں تمھارے سوالوں کے جواب دیتے دیتے تنگ آ گئی ہوں لیکن اب تم جاننا ہی چاہتی ہو کہ میں مالا کیسے بناؤں گی تو سنو جب کوئی مچھوارا سمندر میں جال ڈالتا ہے تب ہم اس جال کا دھاگا کاٹ دیتے ہیں۔"

ننھی مچھلی کی بات سن کر سیپ بولی "چوری کرتی ہو۔ ہائے کتنے افسوس کی بات ہے۔"

سیپ کی یہ بات سنتے ہی ننھی مچھلی واپس سمندر میں لوٹ گئی۔ اسے دکھی دیکھ کر اس کی ماں نے پوچھا "کیا بات ہے حریم؟ کیوں منہ لٹکائے بیٹھی ہو؟"

اپنی ماں کی بات سن کر حریم مچھلی کی رلائی پھوٹ گئی۔ سسکتے ہوئے بولی "ایک سیپ نے مجھے چور کہا۔" یہ کہتے اس نے ساری بات اپنی ماں کو بتا دی۔

حریم کی بات سن کر اس کی ماں بولی "سیپ نے جو کچھ کہا، صحیح کہا۔ ہم لوگ مچھواروں کا جال چھپ کے ہی تو کاٹتے

ہیں۔ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو یہ ایک طرح کی چوری ہی ہے کہ بغیر اجازت کے اس کی چیز لے لو۔ اچھا چلو، اب یہ رونا دھونا چھوڑو۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔"

اور اب وہ دونوں مچھلیاں سمندر کی نچلی سطح میں جا کر سو گئیں۔ اچانک آدھی رات کے وقت سمندر میں طوفان آ گیا۔ سمندری جاندار ڈر کے مارے اپنی اپنی جان بچانے کی خاطر ادھر ادھر چھپنے لگے اتنے میں حریم کی ماں کی نیند ٹوٹی۔ اس نے جلدی سے حریم کو پکڑا اور جیسے ہی چھپنے کے لیے سمندر کے کونے میں جانے لگی تبھی ایک تیز لہر اس کی بیٹی حریم کو اپنے ساتھ دور کہیں لے گئی، ماں اسے پکڑنے دوڑی بھی، مگر اس طوفان میں اپنی بیٹی کو بچانے میں ناکام رہی۔

کچھ دیر بعد طوفان تھما۔ حریم مچھلی کی ماں رونے لگی۔ آس پاس کی مچھلیوں نے پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو؟ اس پر مچھلی بولی "طوفانی لہریں نہ جانے میری بیٹی کو کہاں لے گئیں۔ پتا نہیں وہ زندہ بھی ہوگی کہ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر رو پڑی۔

اگلی صبح حریم کی ماں حریم کو ڈھونڈنے نکلی۔ سارا سمندر چھان مارا مگر حریم مچھلی کا کہیں پتا نہ چلا۔ رات ہوئی تو ماں مچھلی دکھی من کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور پھر اس نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے سمندری جہاز کے اندر جال میں قید ہے۔ وہ جہاز تیزی سے پانی کو چیرتا ہوا آگے بڑھا جا رہا ہے۔ تبھی اچانک جہاز ایک بہت بڑی چٹان سے جا ٹکرایا۔ ٹکراتے ہی اس میں سے دھواں اٹھنے لگا۔ جہاز سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر دھیرے دھیرے وہ ڈوبنے لگا۔ تبھی ایک تیز لہر اٹھی اور لہر کے ساتھ حریم مچھلی جہاز کے اندر آ گری۔ ماں کو جہاز کے اندر دیکھ کر وہ بولی "دیکھو، ماں میں آ گئی۔"

"حریم! میری بیٹی۔" یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ ماں مچھلی کی آنکھ کھل گئی اور اس کا خواب ٹوٹ گیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی "کاش آج جو خواب میں نے دیکھا ہے، وہ سچ ہو جائے۔"

اگلے دن کھلی دھوپ کا مزہ لینے سبھی سمندری جاندار پانی کے اوپر گلاچیں بھرتے ہوئے ادھر سے ادھر اچھل کود مچا رہے تھے۔ تبھی ان میں سے ایک بڑی مچھلی، حریم کی ماں سے بولی "ارے تم بھی آؤ نا ہمارے ساتھ۔ کب تک یوں ہی بھوکی بیٹھی رہو گی؟"

اس مچھلی کی بات سن کر حریم کی ماں بولی "کل تک تو میں حریم کے نہ ملنے کی وجہ سے دکھی تھی۔ سوچا اگر وہ نہیں ملی تو میں یوں ہی دم توڑ دوں گی۔ مگر کل رات جو میں نے خواب دیکھا ہے اس سے میرے دل میں ایک امید کی کرن جاگی ہے کیونکہ کبھی کبھی خواب بھی خدا کا پیغام ہوا کرتے ہیں۔"

حریم کی ماں کی بات سن کر سب مچھلیاں ایک ساتھ بولیں "کیا ہمیں نہیں بتاؤ گی اپنا خواب؟"

اس پر مچھلی ہنستے ہوئے بولی۔

"میں سوئی جو ایک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے میرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال

نظم سنا کر مچھلی دل بہلانے کے لیے جیسے ہی کنارے پر آئی، تبھی اس کے کانوں میں دو بچوں کی آواز آئی مانو! دیکھو کتنی خوبصورت مچھلی!"

"کہاں؟" یہ کہتے ہوئے دوسرے بچے نے جال پھینکا اور دیکھتے ہی دیکھتے حریم مچھلی کی ماں اس جال میں پھنس گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے خود کو ایک بڑے سے جار میں بند پایا۔ اس نے جار کے باہر دیکھا کہ اب وہ بڑے سے مکان کے اندر پہنچ چکی ہے۔ ابھی وہ یہ دیکھ ہی رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہیں جار کے کونے میں گئیں جہاں ڈھیر ساری رنگ برنگی مچھلیوں کے بیچ اس کی بیٹی حریم بھی تھی۔ حریم کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی:

"حریم! میری بچی! تم یہاں ہو۔ میں نے تمھیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ حریم کی طرف بڑھی۔ پھر دونوں ماں بیٹی دیر تک آنسو بہاتی رہیں۔ کچھ دیر بعد جب انھیں سکون ہوا تو حریم اپنی ماں سے بولی: "ماں! جب سے میں تم سے بچھڑی ہوں تب سے میں چین سے نہیں سو پائی۔ رہ رہ کر تمھاری جدائی کا درد مجھے تڑپا رہا تھا۔ آٹھوں پہر مجھے تم سے بچھڑنے کا غم رہتا تھا۔"

یہ کہہ کر حریم سسک پڑی تو ماں بولی "جو کچھ ہوا، اسے بھول جا بیٹی.....‘‘

ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہی لڑکا جو اسے پکڑ کر یہاں لایا تھا، اس سے کہہ رہا تھا:

"میں نے تمھارا درد جان لیا ہے۔ اس لیے آج ہی میں تم مچھلیوں کو آزاد کر دوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے مانو نے جار اٹھایا اور سمندر میں لے جا کر پلٹ دیا۔ مچھلیاں قید سے آزاد ہوتے ہی سمندر میں مارے خوشی کے اچھلنے کودنے لگیں۔"

رات ہوئی تو حریم کی ماں سمندر کے کنارے پر آئی اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولی "اے میرے خدا! اس دن جو میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں پانی کے جہاز کے اندر ایک جال میں قید ہوں، وہ آج سچ ہو گیا۔ کیونکہ تو نے مجھے بتا دیا تھا کہ ایک دن میں ایسے ہی قید ہو جاؤں گی اور پھر مجھے میری کھوئی ہوئی بیٹی حریم مل جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا اٹھی۔ تبھی پیچھے سے حریم کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو حریم اس سے کہہ رہی تھی "ماں! پتا نہیں کیوں، رہ رہ کر مجھے ایک بات یاد آ رہی ہے۔"

اس کی ماں بولی "کیا؟"

اس پر حریم بولی "بھول گئیں، ایک دن تمھیں نے مجھے بتایا تھا کہ انسان رحم دل ہوتے ہیں۔ جیسے وہ لڑکا جس نے ہمیں دوبارہ سمندر میں لا کر چھوڑ دیا۔"

■

Zaibun Nisa
A-1, Fourth Floor
M.M. Apartment, Near Shiya Masjid
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

سحر اسعد

ایک دن امی ابو کے بنا

آج جمعہ کا دن تھا۔ روحی حسبِ معمول پورے نو بجے اپنی نیند پوری کر کے اٹھی۔ اپنے اور موحل کے مشترکہ کمرے سے نکل کر امی ابو کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو چونک پڑی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ پھر باورچی خانے، آنگن اور بیٹھک میں جھانک کر دیکھا حتیٰ کہ اوپر چھت پر بھی دیکھ آئی لیکن وہ کہیں نہیں دکھائی دیے۔ پھر دوبارہ لوٹ کر ان کے کمرے میں آئی تو میز پر ایک چھوٹا سا کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اٹھا کر دیکھا تو لکھا تھا:

''سنو بچو! الہ باد سے تمھاری چچی کا فون آیا تھا۔ ان کی بیٹی کے نکاح کی تاریخ اچانک طے ہوگئی ہے۔ ہم دونوں کے لیے اس میں شرکت کرنا لازمی تھا لہٰذا ہم وہیں جا رہے ہیں۔ تم لوگ چھوٹے انس کا خیال رکھنا اور آپس میں لڑنا جھگڑنا مت!''

ہرا! اس نے ایک بلند نعرہ لگایا اور مسرت سے دوڑتی ہوئی پہلے اپنے کمرے میں آئی اور موحل کو جگایا پھر ارسل اور آذر کے کمروں میں گھس گئی۔ ''اٹھو! اٹھو! خوشخبری، خوشخبری۔''

عام حالات میں تو نو بجے وہ مر کر بھی نہ اٹھتے لیکن خوشخبری کا لفظ ہی کچھ ایسا تھا کہ ارسل نے منہ سے تکیہ ہٹا کر موندی موندی آنکھوں سے پوچھا: ''کیسی خوشخبری؟''

روحی نے فٹافٹ خط کا مضمون پڑھ کر سنایا جسے سن کر ارسل اور آذر بھی خوشی سے جھوم جھوم اٹھے۔

''ہوں..تو آج کے دن اس گھر پہ ہماری حکمرانی ہوگی۔'' ارسل نے فخر سے ہاتھ بلند کیا۔

''بالکل بالکل..'' موحل نے بھی تائید کی۔ پھر یونہی کچھ دیر تک طرح طرح کے نعرے لگتے رہے۔ آخر کار روحی نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ناشتہ بنایا جائے کیونکہ سب ہی کے پیٹوں میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ سو سب کچن میں آگئے۔ روحی نے چائے کا پانی چڑھایا، موحل آٹا گوندھنے بیٹھ گئی۔ ارسل اور آذر نے آملیٹ بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ جیسے ہی آذر نے انڈے توڑ کر فرائی پین میں ڈالے تو صرف ایک انڈا فرائی پین میں تھا باقی انڈے باہر تھے۔ روحی نے جھنجلا کر

پھر سے دوسرے انڈے ڈالے اس بار تو تینوں انڈے فرائی پین میں چلے گئے۔ لیکن اسی درمیان چائے کا پانی ابل کر کیتلی سے باہر آ گیا۔ روحی نے دوبارہ پانی رکھا۔ ارسل نے پیاز کاٹتے ہوئے اپنی انگلی کاٹ لی تھی سو اب وہ اس کی مرہم پٹی کرنے میں مشغول تھا۔ موحل بے چاری کب سے آٹا گوندھنے میں ہلکان تھی۔ پانی حد سے زیادہ ڈال دیا تھا اور اب آٹے کی شکل دیکھ کر اسے رونا آ رہا تھا۔ بالآخر جیسے تیسے کر کے روحی نے آذر کو اپنے ساتھ ملا کر روٹی بنائی۔ اب جب سب ناشتہ کرنے بیٹھے تو تبھی کمرے سے انس کے رونے کی آواز آئی۔ وہ ابھی ابھی اٹھا تھا اور ماں کو نہ پا کر پریشان ہو گیا تھا۔

''اف میرے اللہ! اب اس آفت کو کون سنبھالے گا؟'' ارسل نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ روحی نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے موحل کو حکم دیا: ''جاؤ! اسے اٹھا کر لے آؤ۔'' روحی بڑی تھی سو سب پر اس کا حکم چل جاتا تھا۔ موحل مرے مرے قدموں سے اسے لے آئی۔ انس نے ماں کو نہ پا کر چیخ چیخ کر زمین آسمان سر پر اٹھا لیے۔ پھر کتنی ہی دیر تک سب مل کر اسے بہلانے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی کوشش میں ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔

ناشتے کے بعد اب صفائی کی باری آئی۔ ''میں سب کے کپڑے دھلتی ہوں، آذر تم صفائی کرو، موحل برتن دھلے گی اور ارسل تم انس کو سنبھالو۔'' روحی نے سب کی ڈیوٹی لگائی۔

''نہیں، برتن میں دھلوں گا، موحل تم انس کو سنبھالو۔'' ارسل نے انس سے جان چھڑانا چاہی۔ لیکن موحل اس پر راضی نہ ہوئی۔ نتیجتاً دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ بالآخر روحی نے صلح کرائی۔ ''اوکے! ارسل تم کپڑے دھل لو میں انس کو سنبھالتی ہوں۔'' وہ بخوشی اس تقسیم پر راضی ہو گیا۔ کیوں کہ انس کو سنبھالنا بھی بڑا مشکل کام تھا۔ جب رونے پر آ جاتا تھا تو بمشکل ہی چپ ہوتا تھا۔

جیسے تیسے سارے کام پورے ہوئے۔ موحل نے برتن اور ارسل نے کپڑے دھلے، آذر نے جیسے تیسے کر کے پورے گھر کی صفائی کی۔ انس بھی رو رو کر خود ہی چپ ہو گیا تھا۔ تھکن سے سب کا برا حال تھا لیکن ارسل اور آذر کو جمعہ پڑھنے جانا تھا اس لیے ابھی ان کے کپڑے پریس کرنے باقی تھے۔ روحی پریس کرنے بیٹھی تو پریس ہی غائب تھا۔ اس نے آواز لگائی:

''ارسل ذرا دیکھو تو پریس کہاں ہے؟''

''اف، تمھیں اتنا نہیں پتہ کہ امی پریس کہاں رکھتی ہیں؟'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ پھر تو پورے گھر میں پریس کی تلاش شروع ہو گئی۔

''آؤ موحل، یہاں دیکھتے ہیں۔'' ارسل اور موحل کپڑوں کی الماری میں گھس گئے۔ آذر نے بیڈ اور صوفوں کے اندر بھی جھانک کر دیکھ لیا۔ تبھی کمرے سے روحی نے ان کو پکارا: ''آ جاؤ سب، پریس یہیں ہے، میز پر۔'' روحی نے پریس کرنا شروع کیا۔ تبھی فون کی گھنٹی بجی، ارسل نے فون اٹھایا۔ ''ہیلو، کون؟ اوہ.. ندا.....'' پھر وہیں سے آواز لگائی: ''روحی تمھارا فون ہے۔'' روحی نے پریس اسٹینڈ پر کھڑا کیا اور بھاگتے بھاگتے آئی اور فون ریسیو کیا۔ جب فون سن کر واپس آئی تو پریس ارسل کے کرتے پر جوں کا توں رکھا تھا اور ارسل کے کرتے پر ایک بڑا سا داغ نمودار ہو چکا تھا۔ غم و غصے سے روحی کا برا حال ہو گیا۔ پھر اس کا دوسرا کرتا نکال کر استری کیا۔

پھر آذر اور ارسل جمعہ پڑھ کر آئے۔ اب دوپہر کے کھانے کا مسئلہ تھا۔ سبھی کے ماتھے پر تشویش کے بل صاف گنے جا سکتے تھے۔ ان سب کو احساس ہو رہا تھا کہ امی اکیلے کیسے سارے کام سنبھالتی تھیں۔

''ایک تو امی ابو بتا کر بھی نہیں گئے کہ کب آئیں گے..''

ارسل برا سا منہ بنا کر بولا۔

''ایسا کرتے ہیں کہ ابو کو فون ملاتے ہیں۔'' روحی نے مشورہ دیا۔ سبھی نے اس کی تائید کی۔ آذر فون کی طرف بڑھا۔ تبھی دروازے کی گھنٹی بجی۔ روحی نے بھاگ کر دروازہ کھولا تو سامنے امی ابو کھڑے مسکرا رہے تھے۔ حیرت اور خوشی کے ملے جلے ردعمل کے ساتھ وہ ان سے لپٹ گئی۔ انس ماں کو دیکھ کر لپکا۔ موئل، ارسل اور آذر تینوں ابو سے لپٹ گئے۔

''تو پھر کیسا لگا ہمارا سرپرائز؟'' ابو نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن آپ لوگ تو الٰہ آباد گئے تھے؟'' ارسل کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔ ابو نے امی کو مسکرا کر دیکھا پھر ہنستے ہوئے بولے:

''ارے بھئی یہ تو محض ایک ناٹک تھا۔ تمھاری امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا سو ہم نے سوچا کہ اسی بہانے ایک دن کے لیے گھر تم لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے اور تمھاری آزمائش بھی ہو جائے کہ تم ہمارے بغیر کیسے رہتے ہو۔''

''نہیں ابو!'' ارسل روہانسا ہو گیا اور اپنی زخمی انگلی دکھائی۔ روحی نے انس کو سنبھالنے میں آئی مشکلات بیان کیں، موئل اور ارسل نے بھی اپنے اپنے دکھڑے سنائے۔ امی نے سب کی شکایتوں کو سنا اور دھیرے سے مسکرا دیں۔ اس کے بعد سبھی بچوں نے عہد کر لیا کہ اب وہ ضرور گھر کے چھوٹے موٹے کام سیکھیں گے تاکہ وقت پڑنے پر کسی قسم کی مشکل نہ ہو اور گھر کے کاموں میں بھی امی کا ہاتھ بٹائیں گے۔

■

Sahar Asad
B-18/1 G. Jamia Salafia Marg
Reori Talab
Varanasi - 221010 (UP)

زبان شناسی

کسی بھی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے لفظوں کے ذخیروں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ حسب ضرورت ان لفظوں کا مناسب استعمال کیا جاسکے۔ اگر آپ کے پاس الفاظ کی کثرت ہے اور اس کے صحیح استعمال سے آپ واقف ہیں تو آپ کی تحریر میں قوت بھی پیدا ہوگی اور تاثیر بھی۔ اسی لیے 'زبان شناسی' کے تحت واحد جمع، تذکیر و تانیث، متضاد الفاظ، محاورے کہاوتیں وغیرہ دیے جاتے رہیں گے تاکہ ہمارے ننھے منے قارئین ان لفظوں کو یاد کریں اور انھیں استعمال میں بھی لائیں۔

الفاظ و معانی

قدیم	پرانا	جدید	نیا
مصنف	کتاب لکھنے والا	مصنفہ	کتاب لکھنے والی
تصنیف	کتاب	مکتوب	خط
معاشرہ	سماج	صالح	نیک
عالم	دنیا	اعادہ	دہرانا
اعتراض	عیب نکالنا	استفادہ	فائدہ حاصل کرنا
استفسار	پوچھنا	زیاں	نقصان
عمدہ	پسندیدہ، شاندار	ہلال	چاند
خلوص	سچائی، صفائی، کسی بھی طرح کی ریاکاری سے پاک		
ریاکاری	دکھاوا	پرخلوص	خلوص سے بھرا ہوا
خلاصہ	نچوڑ	شاعر	شعر کہنے والا
زیرک	سمجھدار	سامع	سننے والا
سامعین	سننے والے	ناظر	دیکھنے والا
ناظرین	دیکھنے والے	قاری	پڑھنے والا
قارئین	پڑھنے والے	مصور	تصویر بنانے والا
منصف	جج/ قاضی/ انصاف کرنے والا		

■

ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نگہت

بچے کی صحت

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک ۔۔۔ تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ کسی شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے:

گلوں کی جو خواہش ہے تو کلیوں کی خبر لے
ایسا نہ ہو آجائے خزاں دور سے پہلے

ڈاکٹر محمد عثمان خان ایم بی نے اپنی کتاب 'بچے کی صحت اور نگہداشت' میں بچے کی صحت کی اہمیت کے حوالے سے بڑی اہم بات لکھی ہے کہ ''قومی حفظانِ صحت کی کوششوں میں سب سے بڑا قدم بچے کی صحت کا تحفظ اور اس کی بااصول نگہداشت اور صحیح غور و پرداخت ہے... بچہ ایک قومی سرمایہ ہے جس کا تحفظ و استحکام قومی تعمیر کے لیے نہایت ضروری ہے... درسیاتِ اطفال میں اصولِ صحت اور جسمانی تعلیم کی ضرورت مقدم ہے جس کے ساتھ بچوں کے لیے صحت بخش غذا، معتدل ورزش و محنت، اچھی آب و ہوا، مناسب آرام و آسائش، پاک و صاف ملبوسات، صحت مند آدابِ معاشرت اور صحبت نیک وغیرہ ضروری لوازم کا التزام بھی ضروری ہے۔ دراصل بچے کی جسمانی اور دماغی صحت کا دارومدار زیادہ تر اس کی صحیح نگہداشت و اصول تربیت پر ہے۔''

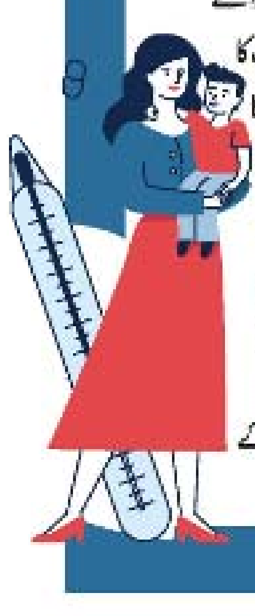

بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔ (ادارہ)

مصنوعی دودھ کی کتنی ایسی قسمیں ہوتی ہیں جو بچے کو دی جاسکتی ہیں؟

مصنوعی دودھ کی جو قسمیں بچے کو دی جاسکتی ہیں ان میں گائے کا دودھ، بھینس کا دودھ اور بکری کا دودھ شامل ہیں۔ بعض ریاستوں اور قبائلی علاقوں میں گدھی کا دودھ بھی بچوں کو پلایا جاتا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ گدھی کا دودھ انسان کے دودھ سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہوا ہے اور میں آپ کو یقین دلا دوں کہ اس دودھ کو پی کر بچہ گدھا نہیں ہوجاتا لیکن چونکہ ہمارے یہاں گائے بھینس اور بکری کا دودھ کافی مقدار میں مل جاتا ہے اس لیے گدھی کے دودھ کی ضرورت نہیں پڑتی اس کے علاوہ بہت قسم کا پاؤڈر کا دودھ بھی مل جاتا ہے اور بچے کو دیا جاسکتا ہے کیونکہ ان میں سے اکثر قسم کا پاؤڈر کا دودھ ماں کے دودھ جیسا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ رقیق شکل میں بھی دودھ مل جاتا ہے لیکن یہ دودھ بچوں کے لیے مناسب نہیں کیونکہ اول تو یہ زیادہ دنوں تک چلتا نہیں اور جلد ہی خراب ہوجاتا ہے اور دوسرے بچے کے لیے اچھا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بچے کی ضرورت سے بہت زیادہ شکر ملی ہوئی ہوتی ہے۔

بھینس کا دودھ بچے کے لیے اچھا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں چکنائی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر بھینس کا دودھ استعمال ہی کرنا ہے تو اسے ابال کر اس کی بالائی اتار لینا چاہیے ورنہ بچے کو ڈائریا ہوجانے کا ڈر ہے۔

دہلی ملک اسکیم یا کسی اور ڈیری کا دودھ بچے کو دینے سے پہلے ابال لینا چاہیے لیکن اس میں پانی نہیں ملانا چاہیے۔

گائے کے دودھ اور ماں کے دودھ میں کیا فرق ہے؟

گائے کے دودھ اور ماں کے دودھ میں مندرجہ ذیل فرق ہے:

	پروٹین	چکنائی	کاربوہائیڈریٹ	معدنی اجزا
گائے	3.5	4	4	0.5
ماں	1.5	3.5	6.5-7.5	0.5

دودھ میں وٹامن اور فولاد کی کمی ہے لیکن یہاں سوال مقدار کی کمی بیشی کا نہیں ہے بلکہ معیار کے فرق کا ہے۔ ماں کے دودھ میں پائی جانے والی پروٹین دو اجزا میں تقسیم ہوجاتی ہے (1) لیکٹائل مین اور (2) کاسین۔ ماں کے دودھ میں لیکٹائل مین کی مقدار ایک اور کاسین کی 0.5 ہوتی ہے۔ یہ بتا دینا بے موقع نہ ہوگا کہ لیکٹائل میں آسانی سے اور جلد ہضم ہوجاتی ہے۔

کیا دودھ میں پانی ملانا چاہیے؟

بعض ماہرین اطفال کا خیال ہے کہ بچے کو ابتدائی زمانے میں دودھ میں پانی ملا کر دینا چاہیے۔ بعض کا کہنا ہے کہ پانی ملا دودھ ایک مہینے تک دینا چاہیے اور بعض کے نزدیک یہ دو سے پانچ ماہ تک دیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں۔ میرے خیال میں دودھ میں پانی ملانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بچہ خالص دودھ کو اچھی طرح ہضم کرلیتا ہے۔ بہرحال آپ چاہیں تو شروع کے دس دن برابر کا پانی ملا کر اور اس کے بعد دو حصے دودھ اور ایک حصہ پانی ملا کر گائے کا دودھ دے دیں لیکن گیارہویں دن سے اسے بغیر پانی کا دودھ ملنا چاہیے تاکہ بچہ پوری طرح بڑھ سکے۔ خوش قسمتی سے ابتدائی زمانہ میں ہر ماں کے پاس اچھا خاصا دودھ ہوتا ہے اور اگر وہ اپنے بچے کو خود دودھ پلائے تو اوپر کے دودھ کی ضرورت ہی نہیں۔ بچے کا پیٹ چکی کی طرح ہوتا ہے اور اس کو جو چیز بھی مناسب مقدار میں دی جائے گی وہ اسے ہضم کرے گا۔ لوگوں نے نوزائیدہ بچوں کو کاسین اور زیادہ پروٹین والی غذا بھی دی ہے جس کو انھوں

نے اچھی طرح ہضم کرلیا اور اس کا کوئی خراب اثر ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ خالص دودھ بچے کو نقصان نہیں کرتا۔

کیا دودھ میں شکر ملانی چاہیے یا نہیں؟

ہاں! گائے کے دودھ میں شکر ملانا چاہیے لیکن پوڈر کے دودھ میں شکر ملانے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ اس میں پہلے ہی سے شکر ملی ہوئی ہوتی ہے۔ گائے کے دودھ میں تین اونس میں ایک چائے کے چمچے کے حساب سے چینی ملانا چاہیے۔

آپ نے کہا تھا کہ پاؤڈر کا دودھ ماں کے دودھ جیسا ہوتا ہے؟ کیا گائے کا دودھ ماں کے دودھ جیسا نہیں ہوتا؟

گائے کے دودھ کا نمبر پاؤڈر کے دودھ کے بعد آتا ہے۔ اگرچہ ہمارے یہاں عام طور پر بچوں کو گائے کا دودھ ہی دیا جاتا ہے۔ پاؤڈر کا دودھ اس سے بہتر ہوتا ہے کہ اس میں پروٹین کی شکل بدل کر ماں کے دودھ جیسی کردی جاتی ہے اور اس میں شکر ملا کر ماں کے دودھ کے برابر کردیا جاتا ہے۔

گائے کے دودھ کو خالص حالت میں بچوں کو پلانا چاہیے۔ یہ بچوں کو نقصان نہیں کرتا بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ کوئی سا بھی دودھ بچے کو دیا جاسکتا ہے لیکن میں ایک بات زور دے کر کہوں گی اور وہ یہ کہ گائے کا دودھ بچھڑے کے لیے ہوتا ہے اور انسان کا دودھ انسان کے لیے۔ بچے کو تین چار ماہ کی عمر تک ماں کا دودھ ملنا ہی چاہیے اور اگر وہ کسی وجہ سے بچے کو دودھ نہیں پلا سکتی تب مجبوراً بچے کو گائے کا یا کوئی دوسرا دودھ دیا جاسکتا ہے۔

غذا کی کمی سے بچے پر کیا مضر اثر پڑتا ہے؟

غذا میں غذائیت بخش اجزاء کی کمی اور خود غذا کی کمی بہت سے امراض کو جنم دے سکتی ہے۔ سب سے پہلا نقصان تو اس سے یہ ہوتا ہے کہ بچے کی بڑھوتری معمول کے مطابق نہیں ہو پاتی اور وہ دوسرے تندرست بچوں کے برابر چاق و چوبند نہیں رہتا۔ غذا کی کمی کا جاری رہنا بچے کو جسمانی نقصان ہی نہیں پہنچاتا بلکہ اس کی ذہنی نشو ونما پر بھی خوب اثر ڈالتا ہے۔ وٹامنوں کی کمی سے مخصوص امراض پیدا ہونے لگتے ہیں مثلاً وٹامن اے کی کمی سے رتوندھی ہوجاتی ہے اور آنکھ کی پتلی میں ناسور بھی ہوسکتا ہے جس سے بینائی مکمل طور پر ضائع ہوجاتی ہے۔ وٹامن بی کی کمی سے بچے کے منہ میں ناسور ہوسکتا ہے۔ وٹامن سی کی کمی سوکھا مرض کو جنم دیتی ہے اور وٹامن ڈی کی کمی سے بچے کو ہڈیوں کی دق ہوجاتی ہے۔ پروٹین کی کمی سے پیروں اور چہرے پر سوجن آجاتی ہے اور جلندھر ہوجاتا ہے۔ اس مرض میں بچہ بہت چڑچڑا ہوجاتا ہے اور اس کا وزن بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس بیماری کی وجہ سے اس کے بدن میں پانی کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ بچہ کھانا نہیں کھاتا اور اگر یہ صورت کچھ دن اور باقی رہے تو اس کی کھال میں جابجا ناسور ہوجاتے ہیں۔ غرض کہ غذا کی کمی بچے کے سارے جسمانی نظام کو تہس نہس کردیتی ہے اور اس کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما کو روک دیتی ہے۔ غذا کی کمی کی وجہ سے بچے کا قد بھی کم رہ جاتا ہے اور وہ جلدی جلدی بیمار پڑنے لگتا ہے اور پڑھائی میں بھی پیچھے رہ جاتا ہے۔

■

ماخذ: بچے کی صحت، مصنف: ستیہ گپتا، مترجم: شمیم نکہت
سنہ اشاعت: چوتھی طباعت: 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

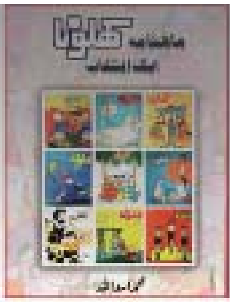

ماہنامہ 'کھلونا' ایک انتخاب

پیارے بچو! ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جیسے آپ کا پسندیدہ رسالہ ہے ویسے ہی کسی زمانے میں ماہنامہ 'کھلونا' دہلی تھا جو بچوں میں بہت مقبول تھا۔ اس رسالے کا بچے اتنی ہی بے چینی سے انتظار کرتے تھے جتنا اب آپ 'بچوں کی دنیا' کا کرتے ہیں۔

ماہنامہ 'کھلونا' بچوں کا ایک ایسا رسالہ تھا جس نے صرف بچوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ سے بہت سے قاری قلمکار بھی بنے اور آج وہ قومی سطح پر اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔

ماضی میں بچوں کے لیے بہت سے رسالے نکلتے رہے ہیں جس میں بچوں کے ذوق اور دلچسپی کا مواد شامل ہوا کرتا تھا۔ رنگین تصاویر، کارٹون، ڈرائنگ اور اس طرح کی بہت ساری چیزیں ہوتی تھیں جو بچوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھیں۔ ماہنامہ 'پیام تعلیم' (نئی دہلی)، ماہنامہ 'کلیاں' (لکھنؤ)، ماہنامہ 'ٹافی' (لکھنؤ)، ماہنامہ 'نور' (رامپور) وغیرہ وغیرہ اور اس طرح کے بہت سے رسالے مختلف علاقوں سے نکلتے تھے۔ ان تمام رسالوں میں بچوں کی بڑی دلچسپی ہوا کرتی تھی۔ ان رسالوں میں ماہنامہ 'کھلونا' بھی تھا جو 7 سے 70 سال کے بچوں کے لیے شائع ہوتا تھا۔ آج کے بہت سے قلمکار اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انھوں نے 'کھلونا' سے اردو زبان سیکھی ہے۔

پیارے بچو! ذرا سوچیے کہ آخر 'کھلونا' میں ایسی کیا بات تھی کہ بچے اس رسالے کا بہت ہی شدت سے انتظار کرتے تھے اور جب رسالہ کسی وجہ سے نہیں ملتا تھا تو انھیں کمی سی محسوس ہوتی تھی۔ اس رسالے کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس میں بڑے بڑے قلمکار اور مشہور فنکار کی تخلیقات شائع ہوا کرتی تھیں اور اس کے ایڈیٹر الیاس دہلوی صاحب اس کے لیے تمام بڑے قلمکاروں سے رابطہ کرتے تھے۔ انھوں نے بڑے ادیبوں کو بچوں کے لیے لکھنے کے لیے تیار کیا جب کہ بڑے ادیب بچوں کے لیے لکھنے میں تھوڑی تساہلی سے کام لیتے ہیں لیکن انھوں نے بچوں کے لیے تمام بڑے ادیبوں کو نظمیں، کہانیاں اور مضامین لکھنے پر مجبور کیا۔ 'کھلونا' کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس رسالے نے بچوں کی نفسیات اور ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے تخلیقات کا انتخاب کیا۔ اس میں بچوں کے لیے قسط وار ناول بھی ہوا کرتے تھے جن کا بچے بے چینی سے انتظار بھی کیا کرتے تھے۔ آپ نے شاید سراج انور کا نام سنا ہوگا جن کے تین ناول بہت مشہور ہوئے۔ خوف ناک جزیرہ، کالی دنیا اور نیلی دنیا۔ یہ تینوں ناول ماہنامہ 'کھلونا' میں ہی شائع ہوئے۔ کرشن چندر کا ناول 'چڑیوں کی الف لیلہ' بھی اسی رسالے میں شائع ہوا۔ اظہار اثر کا 'تین جاسوس' اور ظفر پیامی کا ناول 'ستاروں کے قیدی' بھی اسی رسالے میں شائع ہوئے۔ یہ وہ ناول ہیں جنھیں آج بھی بچے بہت دلچسپی سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ان ناولوں میں جو تجسس اور تحیر ہوتا تھا وہ بچوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اس کے علاوہ اس رسالے میں بڑی عمدہ کہانیاں ہوا کرتی تھیں اور وہ کہانیاں بچوں کے ذہن اور ذوق کو بہت متاثر بھی کرتی تھیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ کہانیاں لکھنے والے بڑے لوگ تھے۔ کرشن چندر، عصمت چغتائی، رام لعل، جیلانی بانو، واجدہ تبسم، ہاجرہ نازلی، رضیہ سجاد ظہیر، خدیجہ مستور، بانو سرتاج، سراج انور اور دوسرے لوگ — یہ وہ کہانی کار ہیں جنھوں نے بڑوں کے لیے بھی لکھا اور چھوٹوں

کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اسی طرح 'کھلونا' میں بڑے بڑے ڈرامہ نگاروں کے ڈرامے شائع ہوتے تھے۔ اقبال مجید، جگن ناتھ آزاد، کوثر چاند پوری، مرزا ادیب، اظہر افسر، ابرار محسن، ذکی انور، مہر رحمٰن، سید نورالحسنین، شہاب صدیقی، عبدالکمال خان کے یہ ڈرامے بہت ہی عمدہ قسم کے تھے جو بچوں کی نفسیات کی پوری عکاسی کرتے تھے۔ اسی طرح اس رسالے میں بڑی پیاری پیاری نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ بچوں کو آج بھی چڑیوں سے، جانوروں سے بڑی دلچسپی ہے، تو ان نظموں میں کہیں چڑیے کا ذکر ہوتا ہے تو کہیں گھوڑے کا اور کہیں گائے کا۔ تو اس طرح بچے چرند پرند سے بھی واقف ہو جایا کرتے تھے۔ حفیظ جالندھری، جگن ناتھ آزاد، بسمل سعیدی، راجہ مہدی علی خان، شفیع الدین نیر، قتیل شفائی، گلزار، مہدی پرتاپ گڈھی، ان لوگوں کی بڑی اچھی اچھی نظمیں اس رسالے میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح بچوں کو ہنسانے کے لیے طنز و مزاح کا بھی ایک کالم ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے مزاح نگار بچوں کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے لکھتے تھے۔ کنہیا لال کپور، احمد جمال پاشا، غلام احمد فرقت کاکوروی، امانت اللہ خاں نظمی اور اس طرح دوسرے طنز و مزاح لکھنے والے لوگ بچوں کے لیے طنزیہ مضامین لکھا کرتے تھے۔ اس رسالے میں بچوں کی دلچسپی کا اتنا سامان ہوتا تھا کہ شاید بچے دوسرے رسالوں کو بھول جایا کرتے تھے۔

پیارے بچو! اب ماہنامہ 'کھلونا' بند ہو چکا ہے لیکن اب بھی بہت سے لوگوں کو اس ماہنامہ 'کھلونا' کی تلاش رہتی ہے جو 1943 میں جاری ہوا تھا اور 1987 میں بند ہو گیا۔ یہ شمع گروپ کا رسالہ تھا جہاں سے خواتین کے لیے ماہنامہ 'بانو' اور فلمی میگزین ماہنامہ 'شمع' شائع ہوا کرتا تھا جو عوام و خواص میں بے حد مقبول تھا اور آپ کو حیرت ہوگی کہ اس زمانے میں اس کی تعداد اشاعت لاکھ سے زیادہ تھی۔ ماہنامہ 'کھلونا' بھی اسی گروپ کا ایک اہم رسالہ تھا جس کا عام شمارہ تو مقبول تھا ہی، سالنامے کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا اور یہ رسالہ بچوں میں اس لیے بھی مقبول تھا کہ اس میں بچوں کی پسند کا نہ صرف خیال رکھا جاتا تھا بلکہ بچوں سے بھی ان کی پسند و ناپسند کے بارے میں پوچھا بھی جاتا تھا۔

ماہنامہ 'کھلونا' کے بند ہونے پر صرف بچوں کو نہیں بڑوں کو بھی بہت افسوس ہوا کیونکہ یہ بہت ہی مقبول رسالہ تھا۔ آج بھی بہت سے بچے ایسے ہیں جو 'کھلونا' پڑھنا چاہتے ہیں مگر ان کے لیے کھلونا کی فائلیں تلاش کرنا بھی مشکل ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر محمد اسداللہ نے ماہنامہ 'کھلونا' کا ایک انتخاب شائع کیا ہے جس میں ماہنامہ 'کھلونا' کی عمدہ تخلیقات شامل ہیں۔ اب بچے چاہیں تو اپنی اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں اور اس انتخاب کے ذریعے ماہنامہ 'کھلونا' جیسے بچوں کے مقبول رسالے سے اپنا رشتہ جوڑ سکتے ہیں۔

پیارے بچو! آپ کو اگر فرصت ملے تو آپ ضرور ماہنامہ 'کھلونا' پڑھنے کی کوشش کریں۔ اس کی بہت سی فائلیں ریختہ ویب سائٹ پر بھی ہیں۔ یقیناً 'کھلونا' پڑھنے سے آپ کے ذہن کے بہت سے دریچے کھل جائیں گے۔ اگر اس میں کوئی مشکل ہے تو کم از کم یہ انتخاب تو آپ ضرور پڑھنے کی کوشش کریں جو ڈاکٹر محمد اسداللہ جیسے ادیب نے آپ کے لیے شائع کیا ہے۔ وہ خود بچوں کے بڑے ادیب ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے خواب نگر، گپ شپ کے عنوان سے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ 'ماہنامہ کھلونا ایک انتخاب' نامی کتاب قومی اردو کونسل کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے اور اس کی قیمت 190 روپے ہے جو محمد اسداللہ، 30 گلستاں کالونی، جعفر نگر، ناگپور۔ 440013 سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

■

Haqqani Al-Qasmi
Email.: haqqanialqasmi@gmail.com
Cell.: 9891726444

سترہویں قسط

اردو زبان کا جادو

پیارے دوستو! 'بچوں کی دنیا' آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ رسالے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کارآمد تحریریں شائع کی جائیں۔ اس رسالے کی اشاعت کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زبان 'اردو' کو فروغ دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس زبان کو سیکھیں۔ کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے اگر اس میں کھیل اور مزے کو شامل کرلیا جائے تو سیکھنے میں دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ ہم نے اردو زبان کے لسانی کھیلوں پر مشتمل ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو قومی اردو کونسل سے شائع کتاب 'اردو زبان کا جادو' سے لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ (ادارہ)

اس ذہنی آزمائش کے جوابات اسی شمارے میں آپ کو مل جائیں گے۔

(17) شکلیں

مقصد : حروف کی چند مختلف شکلوں کی پہچان

ہدایت : نیچے چند الفاظ دیے گئے ہیں اور جدول میں چند حروف ہیں، مثال کے مطابق ان الفاظ کی فہرست میں موجود متعلقہ حروف کی مختلف شکلوں کو کالموں میں لکھیے۔

کھلاڑی: 1 وقت: 4 منٹ نمبر: 4

مشہور	آہٹ	جاہل	کہ	شہر
نمک	شاد	نر	آن	جمہور
ٹم ٹم	ٹرٹر	کتاب	جرمانہ	کا

مثال	ن	ن نـ ن
1	ٹ	
2	ج	
3	ک	
4	ش	

حکایتیں، روایتیں

انوکھی تقسیم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی دولت مند شخص کے گھر ایک شام کوئی آدمی بہ طور مہمان آیا۔ وہ دولت مند شخص تھا مہمان نواز۔ اس نے نہایت پرتکلف کھانوں کا اہتمام کیا۔ دسترخوان پر قسم قسم کے لذیذ اور ذائقہ دار کھانے، مربہ و اچار سمیت چنے گئے۔ ان میں چار بھنے ہوئے خوش ذائقہ سالم مرغ بھی تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ کھانے والے دسترخوان پر پانچ لوگ تھے۔ ایک تو خود میزبان یعنی دولت مند آدمی، ایک اس کی بیوی، دو اس کے بیٹے اور پانچواں یہ مہمان۔ دولت مند آدمی خوش مذاق بھی تھا۔ اس نے اپنے اس معزز مہمان سے کہا۔

''اے عزیز باتمیز! کھانے والے تو ہم پانچ لوگ ہیں، پر یہ بھنے ہوئے سالم مرغ کل چار ہیں۔ سو بھائی ان چاروں مرغوں کی ہم پانچوں میں اس دانائی کے ساتھ تقسیم کر کہ کسی مرغ کو کاٹنا بھی نہ پڑے اور چاروں کے چاروں ہم پانچوں میں تقسیم بھی ہو جائیں۔

میزبان نے مہمان کے کہنے کے مطابق مرغوں کی تقسیم کردی۔

اس طرح کہ ایک مرغ پلیٹ میں رکھ کر میاں اور بیوی کے آگے رکھ دیا اور کہا۔

"یہ ایک مرغ تم دونوں کے حصے میں ہے۔"

ایک مرغ اس کے دونوں بیٹوں کے آگے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ ایک مرغ ان دونوں کے لیے ہے۔"

بچے ہوئے دو مرغ خود اپنے سامنے رکھے اور کہا۔

"یہ دو مرغ میرا حصہ ہیں۔"

میزبان نے جو یہ انوکھی تقسیم دیکھی، تو اسے بڑا غصہ آیا۔ دل میں بہت کڑھا لیکن مہمان سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا، پھر بھی دبی زبان سے اتنا بولا۔

"کیوں بھئی! تو نے یہ کیسا حصہ کیا کہ خود اکیلے تو دو مرغ لیے اور ہم چار آدمیوں کو صرف دو مرغ دیے۔ قطعہ

منصفی اپنے دل میں آپ تو کر
ایسی تقسیم ہے کہیں بہتر؟
غیر کو کیا غضب ہے کم دیجے
ہاتھ سے اپنے خود بہت لیجے"

میزبان کی یہ بات سن کر مہمان خفگی سے بولا۔

"اے نافہم! سمجھ تو سہی۔ تم میاں بیوی اور یہ ایک مرغ، تین پورے ہوئے یا نہیں۔ یہ دو بھائی اور ایک مرغ، تین ہوئے کہ نہیں اور میں، تن تنہا اور یہ دو مرغ، یہ بھی تین ہوئے کہ نہیں۔ سو بھائی! حساب برابر۔ کم نہ زیادہ۔ اس سے صحیح، برابر اور منصفانہ تقسیم اور کیا ہو سکتی ہے۔ تو نے خواہ مخواہ مجھے قصوروار جانا اور ناانصافی کا الزام مجھ پر رکھا۔"

میزبان بے چارہ لاجواب ہو کر خاموش ہو رہا۔

اپنی قضا نہ جانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک نجومی سے پوچھا:

"اے ستارہ شناس! دیکھ تو ذرا میں اس دنیا میں کب تک زندہ رہوں گا اور کب مجھے موت آئے گی؟"

نجومی نے کچھ حساب لگا کر جواب دیا۔

"عالم پناہ! علم نجوم کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تیس برس اور جئیں گے۔ یہ بالکل پکی بات ہے، اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں۔"

یہ دل شکن بات سن کر بادشاہ بہت ملول ہوا۔ تیس سال

بعد آنے والی موت کے خوف نے، دو چار روز ہی میں اسے نڈھال کر دیا۔ اس قدر کمزور ہو گیا کہ مہینوں کا بیمار لگنے لگا۔ بادشاہ سلامت کا یہ حال دیکھ کر ایک دن وزیر نے پوچھا۔

''عالم پناہ! کئی روز سے یہ غلام آپ کو نحیف و نزار دیکھ رہا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اس موروثی غلام کو اگر کچھ معلوم ہو تو کچھ تدبیر کی جائے۔''

اپنے اس وفادار اور نیک دل وزیر کی یہ بات سن کر بادشاہ ملول ہو کر بولا۔

''اے وزیر صاحب توقیر! کچھ نہ پوچھ شعر۔

میں پر غم اس لیے بلبل صفت دن رات نالاں
ہوں
کہ باغ دہر میں گل کی صفت کچھ دن کا مہمان
ہوں

وزیر نے بادشاہ کی آنا کانی ایک نہ چلنے دی، اس سے مسلسل اصرار کرتا رہا کہ بادشاہ اپنی اس حالتِ زار کی وجہ ظاہر کرے۔ آخرکار بادشاہ نے نہایت ملول اور افسردہ ہو کر کہا۔

''اے وزیر دل پذیر! میری زندگی کے اب صرف تیس برس باقی ہیں۔ اسی وجہ سے اب میرا دل موت کے قریب نظر آتا ہے۔''

''خداوند نعمت! آپ کو کیوں کر یقین ہوا؟'' وزیر نے پوچھا۔

''فلاں نجومی نے علم نجوم کے حساب سے بتایا ہے۔'' بادشاہ نے جواب دیا۔ وزیر یہ سن کر بولا۔

''جہاں پناہ! اس نجومی کو غلام کے روبرو تو بلوائیے ذرا، تاکہ ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ وہ یہ سب کس حساب سے بتاتا ہے۔''

غرض کہ وزیر کے اصرار پر بادشاہ نے اس نجومی کو طلب فرمایا۔ وزیر نے اس سے پوچھا۔

''اے نجومی، جنوتی! بادشاہ سلامت کی زندگی کی مدت تو نے ہی بتائی ہے؟''

''میں کیا کہتا ہوں! علم نجوم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔'' نجومی نے جواب دیا۔

نجومی کی یہ بات سن کر وزیر نے پھر کہا۔

''تیرا بچن اگر ٹھیک ہے، تو سچ سچ بتا کہ خود تیری زندگی میں اب کتنے برس باقی ہیں؟''

وزیر کا یہ سوال سن کر نجومی نے انگلیوں پر کچھ حساب شمار کر کے جواب دیا۔

''اے وزیر دل پذیر! اس دنیا میں میری زندگی ابھی دس برس اور باقی ہے۔ اس عرصے میں اگر کوئی مجھے مارنا بھی چاہے گا تو بھی نہ مروں گا۔''

وزیر نے نجومی کی یہ بات سنتے ہی، میان سے چمک دار تلوار نکالی اور اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ آن کی آن میں سر کٹ کر قدموں میں آ گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے نجومی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ نجومی کو یوں موت کے گھاٹ اُتار کے وزیر نے بادشاہ سلامت سے کہا۔

''دیکھیے خداوند نعمت! اس کمبخت کو اپنی تو موت کا کچھ علم نہ تھا۔ پھر اسے دوسرے کی زندگی کی مدت کیا معلوم ہوگی۔''

یہ عجیب و غریب تماشا دیکھ کر بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اسی دم اس نے اپنے دل سے ایسے سارے اندیشے نکال دیے اور ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگا۔

اصلی ماں

دو عورتیں ایک خوب صورت بچے کے لیے آپس میں جھگڑا کر رہی تھیں۔ وہ دونوں بچے کو اپنی طرف کھینچتیں اور ایک

دوسرے سے کہتیں۔

''یہ میرا بیٹا ہے۔ تو کون ہوتی ہے، جو میرے بچے کو زبردستی لیتی ہے۔''

اُس وقت وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا جو دونوں کا جھگڑا چکاتا۔ سو، یہ عجیب وغریب ماجرا حضرت امیرالمومنینؓ کے حضور میں پیش ہوا اور دونوں ماؤں نے انصاف چاہا۔ یہ عجیب قصہ جب حضرت امیرالمومنین نے سنا تو ایک جلاد بے درد کو حکم دیا۔ ''تلوار سے اس بچے کو دو ٹکڑے کر دو اور ان دونوں عورتوں کو برابر دو حصے دے دو۔ آدھا اِسے اور آدھا اُسے۔''

حضرت امیرالمومنین کی زبان مبارک سے یہ عجیب غریب فیصلہ سن کر ان میں سے ایک عورت تو خاموش ہوگئی لیکن دوسری عورت بے چین ہوکر زار زار رونے لگی اور بولی۔

''اے جنابِ پاک! ایسا غضب نہ کیجیے۔ میں اس بات پر خوش ہوں اور حق تعالیٰ کا شکر بجا لاتی ہوں کہ یہ معصوم اور بے گناہ بچہ آپ اس مردود ہی کو دے دیجیے۔ خدارا بچے کے قتل کا حکم نہ فرمایئے۔''

اس پردرد اور نیک ورحم دل عورت کی یہ آہ وبکا سن کر حضرت امیرالمومنین نے تسلی اور تشفی دیتے ہوئے فرمایا۔

''اے نیک سیرت بی بی! سچ یہ ہے کہ یہ بچہ تیرا ہی ہے، تو ہی اس کی اصل ماں ہے۔ یہاں کوئی اندھیر نہیں ہے کہ کوئی سیاہ بخت اور سنگ دل اسے تجھ سے چھینے۔''

غرض اس دانائی کے ساتھ انصاف فرما کر حضرت امیرالمومنین نے وہ پیارا پیارا بچہ اس کی ماں کو دلوا دیا، اور اس جھوٹی مکار عورت کو جو بچے کے قتل کے حکم پر بھی خاموش رہی تھی، جھوٹا قرار دے کر نہایت سخت سزا دی۔

■

ماخذ: نورتن کہانیاں، مصنف: شمیم احمد، چھٹی طباعت: 2015
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فرحہ ناز نور احمد

ماں

'ماں' لفظ میں کتنی مٹھاس ہے، کتنی کشش ہے۔ ماں لفظ سن کر دل مسرور اور خوش ہو جاتا ہے۔ نظر کے سامنے ایک شفقت و ممتا کا مجسمہ ابھرتا ہے۔ دنیا کی قوموں میں ماں کا مقام انتہائی عظیم ہے۔

ماں سب بھائی بہنوں کو بہت چاہتی ہے۔ خاندان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہے۔ گھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھتی ہے۔ اسے گھر کی آرائش اور سجاوٹ کا بڑا خیال رہتا ہے۔ وہ خاندان کے تمام افراد کی خدمت بڑے خلوص اور انہماک سے کرتی ہے۔ والد صاحب کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہے۔ وہی ہماری تعلیم، غذا، لباس، آرام وغیرہ کا انتظام کرتی ہے۔ اگر کوئی چیز ہمیں نہیں ملتی ہے تو ہم ماں ہی سے دریافت کرتے ہیں۔ ہماری ہر چیز کا وہی خیال رکھتی ہے۔ ماں کے بغیر ہم اپنی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ماں بڑی ملنسار اور رحم دل ہوتی ہے۔ وہ رشتے داروں کی مہمان نوازی بڑے خلوص اور اپنائیت سے کرتی ہے۔ لذیذ کھانا پکاتی ہے۔ وہ نوکروں کے ساتھ بھی رحم دلی کا برتاؤ کرتی ہے۔

ماں غریبوں، مجبوروں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد بڑی فراخ دلی سے کرتی ہے۔ بیماروں کی تیمارداری کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی ہے۔ محلے میں کوئی بھی بیمار ہو جائے تو ماں ضرور پہنچتی ہے۔ ہم سب بھائی بہن بہت خوش قسمت ہیں کہ ایسی مہربان، شریف النفس، دور اندیش اور شفیق ماں ہمیں ملی۔

■

Farha Naaz Noor Ahmed
Class: 6, U.G.S, No 2,
Bailhongal (Karnataka)

چمن چمن کے پھول

شاعری سے تحریر وتقریر میں قوت اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کرتے تھے۔ 'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں کہ آپ انھیں اچھی طرح یاد کریں اور اپنی تحریر وتقریر میں ایسے اشعار کے استعمال سے سامعین اور قارئین پر اچھا اثر مرتب کرسکیں۔ (ادارہ)

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

حفیظ جونپوری

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ثاقب لکھنوی

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

علامہ اقبال

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

ناصر کاظمی

بچھڑے لوگوں سے ملاقات کبھی تو ہوگی
دل میں امید تو کافی ہے یقیں کچھ کم ہے

شہریار

بات کم کیجیے ذہانت کو چھپاتے رہیے
اجنبی شہر ہے یہ، دوست بناتے رہیے

ندا فاضلی

بس ایک دو ہی تعلق بہت ہیں جینے کو
بہت سے رشتے بنائے تو ٹوٹ جاؤ گے

وسیم بریلوی

بہت خراب ہے دنیا مگر یہاں میں بھی
بس ایک اچھے زمانے کی دھن میں رہتا ہوں

اسعد بدایونی

برے دنوں سے بچانا مجھے مرے مولیٰ
قریبی دوست بھی بچ کر نکلنے لگتے ہیں

راحت اندوری

بجھ رہے ہیں چراغ دیر و حرم
دل جلاؤ کہ روشنی کم ہے

سحاب قزلباش

بیچ دیتی ہیں کئی قیمتی یادیں اپنی
مائیں بچوں سے چھپاتی ہیں کہ غربت کیا ہے

پروین حیدر

بوجھ اتنا رکھ دیا دنیا نے کاندھوں پر نظیر
وقت سے پہلے مرے بچوں کو بوڑھا کر دیا

میر نظیر باقری

ماخذ: شعرستان (برائے بیت بازی)، مرتب: ڈاکٹر عائشہ کمن، سنہ اشاعت: 2019، ناشر: الفاظ پبلی کیشنز، ناگپور، مہاراشٹر

انصاری محمد عبداللہ سلیم اختر

"میں بہت عظیم بڑ کا درخت ہوں" بڑ کے درخت نے متکبرانہ انداز میں اعلان کیا۔ درخت کی بات سن کر مجھے بہت غصہ آیا مگر میں نے سنی اَن سنی کردی۔ "میرے سائے میں ہزاروں انسان آرام کر چکے ہیں۔" درخت نے دوبارہ مجھے چھیڑتے ہوئے کہا اگر اس وقت میرے پاس کلہاڑی ہوتی تو اس درخت کو یہیں کاٹ گراتا۔ درخت نے یہ بات بھانپ لی کہ میں چڑھ رہا ہوں۔ اس لیے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا "ہم انسانوں کو بہت کچھ دیتے ہیں مگر احسان فراموش انسان ہمیں ہی کاٹتے ہیں۔"

درخت کا اشارہ میری طرف تھا۔ میں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "ہر انسان برا نہیں ہوتا۔ جو تمھیں کاٹتے ہیں وہ شرارتی انسان ہوتے ہیں۔" ان حقیر انسانوں کی ہمارے بنا اوقات کیا ہے۔" درخت نے کہا۔

"او گھمنڈی درخت انسان کو ملائک/فرشتوں نے سجدے کیے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ انسان درخت کے بنا ادھورا ہے" مجھے تاؤ آ گیا۔

"میں تمھیں اس بات کا جواب بتاتا ہوں، پہلی بات تو درخت اگر کاربن ڈائی آکسائیڈ نہ کھینچے تو دنیا میں انسان کا نام ونشان نہ رہے گا، دوسری بات انسان جب بچہ رہتا ہے تو اسے جھولے کی ضرورت ہوتی ہے، جھولا ہماری لکڑیوں سے بنتا ہے۔ بچوں کے کھلونے بھی ہماری لکڑیوں سے بنتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کی میز اور کرسی بھی ہماری لکڑیوں سے بنتی ہے۔ بیل گاڑی اور گھوڑا گاڑی بھی لکڑی سے بنتی ہے۔ کسان ہماری لکڑیوں سے ہل بناتے ہیں۔ انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تب اسے بیساکھی ہماری لکڑیوں سے ملتی ہے۔ کاغذ درختوں سے بنایا جاتا ہے۔ برو (ایک قلم نما لکڑی جو روشنائی میں ڈبو کر تحریر لکھی جاتی ہے) ہماری لکڑیوں سے بنتا ہے۔" درخت اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

واقعی درخت کی بات صحیح تھی۔ درخت جیت گیا، میں ہار گیا۔

■

Ansari Muhammad Abdullah Saleem Akhtar
Class: VIII, Muhammadia Boys
Urdu High School
Dhule - 424001 (Maharashtra)

علینہ انصاری بنت ڈاکٹر عبدالحسیب درجہ دہم
دنیو کیمبرج انگلش اسکول، بنگلور (کرناٹک)

سیدہ ام خنساء بنت شمس الدین، درجہ چہارم، بریلیئنٹ اورینٹل اسکول، فتح پور، یوپی

رمیشہ ثمین محمد علیم، ناندورہ، مہاراشٹر

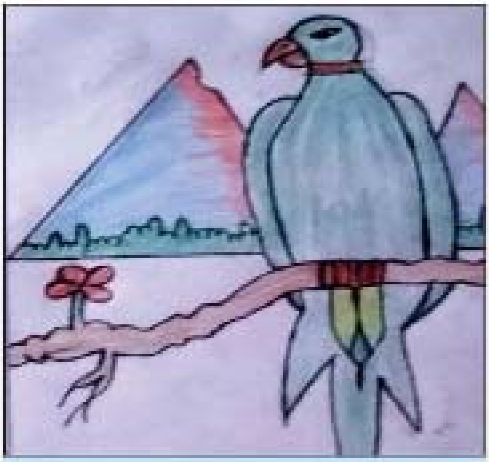

محمد ذیشان انصاری، برائٹ کوچنگ سینٹر، ندی پار
آسنسول (مغربی بنگال)

حفصہ درّانی درجہ دوم (بی)، کولونیل اکیڈمی، شاہجہانپور، یوپی

مصباح شیخ سمیر، درجہ دہم، رشیدہ بیگم پیٹھا اردو ہائی اسکول، مصروالی، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

BACHON KI DUNIYA, Monthly, November 2020 Vol. 08, Issue: 11
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/10/2020
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language.
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi-110025